



Atlantis  
Publications



# ہوا کے قیدی

محمود، فاروق، فرزانه  
اور انسپکٹر جمشید  
سیریز

اشتیاق احمد

## نجد دار

محمود، فاروق اور فرزاد بہت خوش تھے، خوش کیوں نہ ہوتے، بیٹے بھائے ایک عدد ہوائی سفر کا موقع نصیب ہو گیا تھا۔ افریقہ میں انسپکٹر جمشید کے ایک دور کے چچا رہتے تھے، ان کا انتقال ہو گیا اور مرتے وقت وہ اپنی ساری جائداد انسپکٹر جمشید کے نام کر گئے تھے۔ ان کے علاوہ اس دنیا میں اور کوئی رشتے دار نہیں تھا۔ جائداد میں سونے کی ایک کان کے علاوہ نقدی اور کچھ زمین بھی شامل تھی، چنانچہ اس طرح انہیں جائداد کے ساتھ ساتھ افریقہ کی سیر کا موقع مل گیا تھا، یہی وجہ تھی کہ محمود، فاروق اور فرزاد جہاز میں بیٹھے پھوٹے نہیں رہے تھے..... انسپکٹر جمشید اور بیگم جمشید انہیں خوش دیکھ کر دل ہی دل میں مسکرا رہے تھے۔ جونہی جہاز نے زمین چھوڑی، فاروق نے برا سامنہ بنایا۔ جہاز کے اوپر اٹھتے ہی اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سناہٹ سی ہونے لگتی تھی :

”تم تو بالکل ننھے سے بچے کی طرح منہ بنائے لگتے ہو۔“ فرزاد نے ہلکے چڑھائی۔

اب تم مجھ سے کیا چاہتی، میں کس طرح منہ بناؤں؟ فاروق نے بھی برا منہ بنایا۔

”تو منہ بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ محمود سے بھی رہا گیا۔

”میں ضرورتاً منہ نہیں بنا رہا ہوں، مجبوراً بنا رہا ہوں؟ فاروق جواب دیا۔

”تم تینوں منہ بنانے کے پیچھے پڑ گئے ہو شاید، کچھ اور کیوں نہ بنایے؟ بیگم جمشید نے بھی منہ بنایا۔

”انہیں نصیحت کرنے سے پہلے بہتر ہوگا کہ تم اپنے چہرے پر ہٹ لے آؤ۔“ انیسٹر جمشید مسمکرائے۔

”دیے یہ منہ بنانا کافی بابرکت ثابت ہوا ہے، اس نے آپ بھی گفتگو میں شامل کر دیا؟ فاروق نے شونج لہجے میں کہا۔

”لیکن بھی، ہم نے یہ کب کہا تھا کہ سفر کے دوران بات چیت کریں گے؟“ انیسٹر جمشید نے حیرت ظاہر کی۔

”آپ خاموش تو بیٹھے تھے، دیے آبا جان! اب تو ہم کافی ت منہ ہو جائیں گے، آپ کا اس دولت کو کس طرح خرچ کرنے کا پروگرام ہے؟“ فاروق نے نئی پوچھی۔

”تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے ہم ساری دولت لٹے ہی خرچ کریں گے؟“ بیگم جمشید مسمکرائیں۔

”لیکن اتنی جان! اس میں سے آخر کچھ نہ کچھ تو خرچ کرنا ہی ہو گا، دولت پر سانپ بن کر بیٹھ جانا بھی تو درست نہیں؟ محمود بولا۔

”پہلے یہ بتاؤ، تم لوگ کیا چاہتے ہو؟

”ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں ایک ایک موٹر سائیکل لے دیں اور اپنے لیے ایک اچھی سی کار لے لیں؟“ فرناز نے کہا۔

”چلو! یہ ہو جائے گا؟“

”اور ایک شاندار سی کوٹھی بھی تعمیر کرائیں؟“

”یہ بات بھی منظور کی جاتی ہے؟“ انیسٹر جمشید نے دبے لہجے میں کہا۔ اور بتاؤ؟

”جی ہاں اور کیا؟“

”یہ سب تو خیر ہو ہی جائے گا، لیکن بھئی دولت ملنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم اسے صرف اپنی ہی ذات پر خرچ کریں، دیکھو نا.... ہمارے آس پاس، ارد گرد کچھ غریب لوگ بھی رہتے ہیں، ہمیں ان کے لیے بھی کچھ کرنا ہوگا اور پہلے میں انہی کی طرف توجہ دوں گا، یوں تو اس سے پہلے بھی ہم ہمیشہ ممکن حد تک ان کے لیے کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہے ہیں، لیکن اب بڑے پیمانے پر کریں گے، یہ کام تمہاری موٹر سائیکلوں، کوٹھی اور کار سے زیادہ ضروری ہے۔“

”آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے آبا جان! ہم غلطی پر تھے،



میں پہلے انہی کے بارے میں سوچنا چاہیے تھا اور اس کے بعد اپنے بارے۔

• ہمارا سفر کتنے گھنٹے کا ہے آبا جان! محمود نے اس وقت پوچھا جب جہاز اوپر اٹھنا بند ہو گیا اور ایک سمت میں اڑنے لگا۔

• تقریباً چار گھنٹے کا، راستے میں ہم افریقہ کے ریگستان پر سے بھی گزریں گے، یہ دنیا کا سب سے بڑا ریگستان ہے، انہوں نے بتایا۔ اس وقت ایر ہوٹل ان کے قریب سے گزری:

• نیٹے: فاروق اس پر نظر پڑے ہی بولی پڑا۔ وہ چونک کر مڑی اور سکراہٹ اور شفقت چہرے پر لاتے ہوئے بولی:

• بھی فرمائیے!

• آپ کا نام کیا ہے؟ فاروق نے کوئی چیز طلب کرنے کی بجائے غیب سوال کیا۔

• کیوں! آپ نے میرا نام کیوں پوچھا۔

• ہمیں یہاں چار گھنٹے گزارنے ہیں، لہذا کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم ایک دوسرے سے واقف ہو جائیں۔ فاروق بولا اور انہیں پکڑ جھینڈ اسے گھونٹنے لگے۔

• لیکن اگر ہر مسافر یہی خواہش بیان کرنے لگا تو کیا ہو گا! ایر ہوٹل نے ہلکا کر کہا اور وہ بے ساختہ سکرا دیے۔

• اس صورت میں میں سب کو ایک ہی بار آپ کا نام بتا

دوں گا۔

فاروق کے جواب پر ایر ہوٹل بھی بے ساختہ سکرا دی اور اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے بولی:

• مجھے ایک پلیٹ چاٹ چاہیے۔ فاروق بولا۔

• چاٹ! کیا مطلب ہے وہ چونکی۔

• آپ چاٹ کا مطلب نہیں سمجھتیں؟ فاروق کے لیے میں حیرت تھی۔ مختلف بھول کے آمیزے کو چاٹ کہتے ہیں، اس پر مصالحہ چھڑکا جاتا ہے۔

• مجھے افسوس ہے، میں آپ کی خدمت میں چاٹ پیش نہیں کر سکوں گی، پائے کافی، کوک پیس، میں سے کوئی چیز طلب کر سکتے ہیں۔

• خیر چھوٹیے، مجھے ان میں سے کسی چیز کی اس وقت ضرورت نہیں، آپ یہ بتائیے، یہاں کتنے عرصے سے ملازمت کر رہی ہیں؟ اس نے کہا۔

• آخر آپ کا ان سوالات سے مطلب کیا ہے؟ اس نے الجھ کر پوچھا۔

• میں نے کہا نا..... کہ ہمیں چار گھنٹے گزارنے کا کچھ سامان کرنا ہے!

• تو کیا آپ چار گھنٹے تک مجھ سے باتیں کرنا چاہتے ہیں؟ اس

نے پھر بوکھلا کر کہا۔  
 "نہیں نہیں! آپ گھبرائیے نہیں، میں پورے چار گھنٹے تک آپ سے بات چیت کا ارادہ نہیں رکھتا۔"  
 "گویا اس سے کچھ کم وقت کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس نے گھبرا کر کہا۔

"فاروق! تم باز نہیں آؤ گے: انسپکٹر جمشید نہ رہ سکے، فاروق کو دانتوں کے بعد وہ مس رونا کی طرف مڑے:

"اس کی باتوں کا کوئی خیال نہ کریں۔ بہت شریر ہے، ہر ایک کو اپنی باتوں میں الجھا لیتا ہے۔"

"میں نے بالکل بُرا نہیں مانا، یہ تو مجھے بہت ہی پیارے اور محبوبے بھانے لگے ہیں۔ مس رونا نے مسکرا کر کہا۔

"جی..... کیا کہا..... محبوبے بھانے اور یہ..... آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، یہ حضرت کو شیطان کے بھی کان کترتے ہیں۔"

فرزانہ نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"توبہ توبہ! آنا بھوٹ تو نہ بولو، میں نے آج تک شیطان صاحب کو دیکھا تک نہیں، ان کے کان کیسے کتر سکتا ہوں۔"

فاروق نے فرزانہ کو کاکٹ کھانے والے افنانہ میں دیکھا:

"اب آپ سمجھ ہی گئی ہوں گی کہ یہ حضرت کیا چیز ہیں۔" ہاں! بہت اچھی چیز ہیں، میں ذرا دوسرے مسافروں کی طرف

چکر لگاؤں، پھر آکر بائیں کروں گی۔  
 "آخر آپ کو بھی اس نے الجھا ہی لیا: انسپکٹر جمشید بے چارگی کے انماز میں مسکرائے۔

"جی بات دراصل یہ ہے کہ چار گھنٹے گزارنے میں: مس رونا نے کہا اور وہ سب بے ساختہ مسکرا دیے۔ اس وقت ایک بھاری آواز نے انہیں چونکا دیا:

"سسٹر! ذرا ادھر آئیں۔"

انہوں نے گردن پیچھے کی طرف گھما کر دیکھا۔ مس رونا کو بلانے والے ایک سرخ سے رنگ کا غیر ملکی آدمی تھا، اس نے یہ جملہ بھی انگریزی میں کہا تھا۔ مس رونا نے چہرے پر گہری مسکراہٹ سجائی اور اس کی طرف بڑھنے لگی۔



"جی فرمائیے! اس کے قریب پہنچ کر مس رونا نے کہا۔

"میری ٹانگ زخمی ہے، شاید جہاز کی میز چھ پر چڑھتے وقت زخم کھل گیا ہے، اب اس کی نئے سرے سے پٹی کرنا پڑے گی۔ شاید خون رن رہا ہے، اس سلسلے میں آپ کیا مدد کر سکتی ہیں۔"

"جہاز پر فٹ ایڈ بکس موجود ہے، میں نے فٹ ایڈ کی



ڈینگ لے رکھی ہے، میں آپ کی مرہم بٹی کر سکوں گی۔  
 بہت خوب! میں شکر گزار ہوں، لیکن آپ کو زحمت کرنے  
 کی ضرورت نہیں، میرے ساتھی بہت اچھے ڈاکٹر ہیں، یہ میرے  
 ساتھ چل کر بٹی کر دیں گے، آپ تو بس آنا کریں کہ میں  
 ایک علیحدہ جگہ تک لے چلیں، جہاں یہ کام کیا جاسکے۔  
 ضرور خواب، کیوں نہیں، آئیے میرے ساتھ۔  
 غیر ملکی اور اس کے ساتھ بیٹھا ہوا آدمی اٹھے۔ دوسرا بھی  
 غیر ملکی ہی تھا، دونوں مس رعنا کے پیچھے چلنے لگے۔ ان کی طرف  
 جو تعریں اٹھ گئیں تھیں، پھر واپس پلٹ آئیں اور سب اپنی  
 باتوں یا مسئلے میں مصروف ہو گئے۔ انسپکٹر جمشید نے گردن موڑی  
 تو انیس فرزانہ کی پشانی پر بل نظر آئے۔  
 "کیوں! نہیں کیا ہوا؟"

ایک اچھا ڈاکٹر ان صاحب کا ساتھی ہے تو پھر زخم کس  
 طرح کھل گیا، ظاہر ہے کہ انہوں نے بٹی اپنے ساتھی سے ہی  
 کرائی ہوگی۔ اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔  
 "یہ کوئی ضروری نہیں، بعض اوقات ماہر سرجنوں کی کی ہوئی  
 پٹیاں بھی ناکام ثابت ہو جاتی ہیں، کچھ زخم اس قسم کے ہوتے  
 ہیں کہ ذرا سی ٹیس لگنے پر دوبارہ رونا شروع ہو جاتے ہیں،  
 لہذا مہربانی فرما کر بال کی کھال نہ اتارو، جہاز میں بلاوجہ سپنس پیدا

کرنے کی ناکام کوشش نہ کرو۔ فاروق نے جل بھی کر کہا۔  
 "میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں، ایک بات مجھے عجیب لگی تھی،  
 اس کا اظہار بھی میں نے خود نہیں کیا، آبا جان کے پوچھنے  
 پر ہی ذکر کیا ہے۔ فرزانہ کے بچے میں ناگواری آگئی۔  
 "فاروق! میں تمہارے خیال سے اتفاق کرتا ہوں، لیکن ابھی  
 یہ ہے کہ اگر زخم سیرجیاں چڑھنے کی وجہ سے کھلا ہے تو پھر ان  
 صاحب نے ایر پورٹ پر ہی کیوں بٹی نہ کرائی، جہاز وہاں بہت  
 دیر کھڑا رہا ہے، یہ اس وقت بھی مس رعنا سے ہی بات کر  
 سکتے تھے۔ انسپکٹر جمشید بولے۔  
 "پھر تو آپ کو میرے خیال سے اتفاق نہ ہوا۔ فاروق نے  
 بالواسانہ بچے میں کہا۔

"اتفاق اس بات سے ہے کہ ماہر سرجن کے ہاتھ کی بٹی کے  
 باوجود بھی زخم کھل سکتا ہے۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔  
 "تت... تو... کیا...؟" فاروق نے ہلکا کر کچھ کہنا چاہا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں...؟ گھبرانے کی ضرورت نہیں، میں  
 نے ان کے چہرے پر تکلیف کے آثار دیکھے ہیں، وہ ایکٹنگ نہیں  
 کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا۔

پلیس شکریہ، ورنہ میں تو ڈر گیا تھا کہ شروع ہوا پھر کوئی  
 چکر، دراصل میں چاہتا ہوں، ہم بخیر و عافیت اپنی منزل پر پہنچ

جائیں اور اس جائدار کو آنکھوں سے دیکھ لیں جو ہمیں ملی ہے۔  
اگر خدا کو منظور ہوا تو ضرور دیکھ لو گے۔ بیگم جمشید بولیں۔

اس وقت انہوں نے مس رونا کو واپس آتے دیکھا، وہ  
ایک ایک مسافر کے پاس سے گزرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

بیز: کسی چیز کی ضرورت تو نہیں!  
ہاں تو ہم کیا بات کر رہے تھے؟ محمود نے سلسلہ گفتگو شروع  
کرنے کی غرض سے کہا۔

یہ تو فرزانہ ہی بتا سکے گی، اس کی یادداشت بہت تیز  
ہے نا۔ فاروق بولا۔

ہاں کیوں نہیں، مس رونا کے آنے سے پہلے ہم....

ایک کھٹکے کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ آواز پچھلی سمت  
سے آئی تھی۔ مس رونا نے اور دوسری ایر ہوٹلوں نے بھی  
فورا ادھر دیکھا، لیکن شاید آواز اندرونی حصے سے آئی تھی جس طرف  
کچن وغیرہ تھا۔ مس رونا نے فورا اس طرف قدم اٹھانے شروع  
کیے، اس کے ساتھ دو تین ایر ہوٹلیں اور اندر لیکس، سٹورٹ بھی  
تیز تیز قدم اٹھانے لگے۔

آبا جان: آپ کے خیال میں جہاز میں کھٹکے کی آواز کیسی  
تھی؟ فاروق نے پوچھا۔

میں یہ تو نہیں کہہ سکتا تھا کہ آواز کیسی تھی تاہم اتنا

ضرور کہہ سکتا ہوں کہ آواز امید کے خلاف تھی، اگر امید کے خلاف  
نہ ہوتی تو ان سب کو چونکتے اور پھر ادھر جانے کی ضرورت نہیں  
تھی۔

میرے خیال میں یہ آواز ان دو حضرات کی وجہ سے پیدا ہوئی

ہے، ہو سکتا ہے کڑی کی کوئی کچھنی توڑی گئی ہو، عام طور پر  
ایسی کچھیاں ہڈیوں وغیرہ پر بانڈھی جاتی ہیں۔ فاروق نے خیال ظاہر کیا۔  
”جی ہاں اس نے ہڈی توڑتے وغیرہ کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اس نے  
کہا تھا زخم کھل گیا ہے۔ فرزانہ نے منہ بنایا۔

”خیر ہمیں کیا ہے، ایر ہوٹلس اندر جا چکی ہیں، دیکھ ہی میں گی  
کہ کیا معاملہ ہے۔“

وہ اور دوسرے مسافران کی واپسی کا انتظار کرنے لگے، لیکن  
کئی منٹ گزرنے پر بھی کوئی واپس نہ آیا۔

آبا جان: میں بے چینی محسوس کر رہی ہوں! فرزانہ بولی۔

”تو کیسے جاؤ، کس نے روکا ہے، جہاز میں بے چینی محسوس کرنے  
پر کوئی پابندی نہیں ہے۔“

”دھت تیرے کی، محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔“

”کیوں بھی؟ تمہیں کیا ہوا، بے چاری ران نے کیا قصور کیا؟“

”وق کا انداز مذاق اڑانے والا تھا“

آبا جان.... فرزانہ نے پھر کچھ کہنا چاہا، لیکن فاروق نے



## نیا اسلحہ

تمام مسافروں نے سر اوپر کر کے، گردنیں موڑ کر پیچھے کی جانب دیکھی۔ اگرچہ حکم یہ تھا کہ کوئی حرکت نہ کرے، لیکن اتنی حرکت ان سب کے مزور کی۔ انہوں نے دیکھا، دروازے میں وہی دونوں غیر ملکی کھڑے تھے جو زخمی "انگس" کے سٹے میں اندر گئے تھے۔ اب ان کے ہاتھوں میں دو عدد مشین گنیں تھیں۔ بلاشبہ وہ ان پہ گولیوں کی بوچھاڑ کر سکتے تھے۔ سب مسافروں کے رنگ اتنا خانا میں اڑ گئے۔ ان میں سے اکثر عترتھر کا پٹنہ لگے۔ کچھ تو اپنی سیٹوں پر ہی بے ہوش ہو گئے۔ انپکٹر جمشید تک ساکت رہ گئے۔ جمشید کی آنکھوں میں بھی خوف دوڑ گیا۔ محمود، فاطمہ اور فرزانہ کی حسی گم ہو گئی۔ ایک ہولناک صورت حال انہیں اپنے گھرے میں لے چکی تھی۔

ایم بی جان! میری جیب سے اپنے لیے پٹل لے لو اور پائنت روم میں جا کر پائنت اور اس کے ساتھی کو حالات سے باخبر کر دو، انہیں بتا دو کہ اگر انہوں نے ہمارے احکامات کی تعمیل نہ

فرزا اس کی بات کاٹ دی؛

"ہاں ہاں! انہوں نے سن لیا ہے، تم بے چینی محسوس کر رہی ہو۔" "جی فاطمہ تم تو ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ جاتے ہو؟ اسے کہہ تو لینے دو، یہ بے چینی کیوں محسوس کر رہی ہے؟"

"وہ میں بتائے دیتا ہوں آبا جان! ابھی تک اندر سے کوئی واپس نہیں آیا، جب کہ اس کے خیال میں انہیں اب تک آجنا چاہیے تھا، لیکن میرا خیال ہے کہ اندر ان صاحب کے زخم کی حالت زیادہ خراب ہے، کیس سیریس ہے، اس لیے انہیں دیر لگ گئی۔"

"چلو انے لیتے ہیں، یہی بات ہو گی، لیکن بے چینی محسوس کرنے میں حرج ہی کیا ہے؟" انپکٹر جمشید مسکرائے۔ "آبا جان! آپ بھی میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔ فرزانہ نے رونی آواز میں کہا۔

"اسے نہیں! تم غلط سمجھیں، میں فاطمہ کو سمجھا...."

"ان کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ ایک آواز نے سب کی آوازوں کے گلے گھونٹ کر رکھ دیے؛

"خبردار! کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے؟"



بہت بہتر! مہینے کے مہینے کا حکم پائلٹ کو سنا دیا۔  
 فوراً ہی جہاز کا رخ تبدیل ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی  
 مسافروں کے چہروں پر موت کی زد کی گئی۔ انہیں یوں لگا  
 کہ جیسے جان اب نکلی کہ اب نکلی۔ اچانک ایک آدمی بیچ مار  
 کر اپنی سیٹ سے نیچے گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ اب تو چہروں  
 پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

”اور اب رویو... تمہاری باری ہے، تم بھی اٹھو اور ان سب  
 کی تلاشی شروع کرو۔“

آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو۔ ایک مسافر خوفزدہ انداز میں چوٹیا۔  
 ”اے تم لوگ ابھی تک نہیں سمجھے، ہم اس جہاز کو اغوا کر کے  
 اپنے ملک لے جا رہے ہیں، وہاں تم سب لوگ بھی جہاز سمیت  
 ہمارے قبضے میں رہو گے اور پھر...“ مہینے نے جلد ادھورا چھوڑ دیا۔

”اور پھر کیا؟“ ایک اور مسافر نے مہینے کا پتلی آواز میں کہا۔  
 اور پھر کے بعد میں کیا گنا چاہتا ہوں، یہ تمہیں نہیں بتایا  
 جا سکتا، بس تم تو صرف یہی سمجھو کہ تم لوگ ہمارے قیدی ہو،  
 پورے دو سو چالیس آدمی اور ایک بہترین جہاز، جتنی واہ کتنی  
 آسانی سے ہم نے یہ ہاتھ مارا ہے، بس اپنے اپنے اشیاء کیس  
 میں مشین گنوں کے الگ الگ حصے رکھ کر لانے پڑے اور دو  
 پستولوں کے حصے بھی، یہ مشین گنیں اور پستول بالکل نئی ساخت

کی تو تمام مسافروں سمیت جہاز کے پرچے اڑ جائیں گے۔ اسی  
 نے کہا جس نے اپنی ٹانگ زخمی بتائی تھی۔ انہی کی سیٹوں کے  
 ساتھ والی سیٹ سے ایک اور غیر ملکی اٹھا، پہلے ان کی طرف  
 لیا اور پھر پستول ہاتھ میں لیے درمیانی راستے سے گزرتے ہوئے  
 پائلٹ روم کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے ہینڈل پر  
 ایک جھٹکے سے دروازہ کھول ڈالا اور پھر دروازہ عبور کر کے  
 سے جیسے بند کر دیا۔

”تائیگر! تم پائلٹ روم کے دروازے میں کھڑے ہو جاؤ اور  
 دھڑکے حالات کی ہر پندرہ سیکنڈ بعد خبر دیتے رہو، آیا وہ  
 لوگ قہقہے کر رہے ہیں یا نہیں۔“  
 ”بہت بہتر مسٹر مہینے! اس کے ساتھ کھڑے دوسرے آدمی نے  
 کہا، اسے اس نے ڈاکٹر بتایا تھا۔“

تائیگر نے اس کی ہدایت پر فوراً عمل کیا اور پائلٹ روم کا  
 دروازہ کھول کر درمیان میں کھڑا ہو گیا، پھر اس نے کہا۔  
 ”ایم بی جان نے پائلٹ اور اسسٹنٹ پائلٹ کو پستول کی زد  
 پر لے لیا ہے اور دونوں اس کے حکم کی تعمیل کرنے پر مجبور ہیں۔“  
 ”ٹھیک ہے، اپنی گھڑی کے مطابق ہم ان کے ملک سے نکل آئے  
 ہیں، یہ اپنے اپنے پورٹ کو سب ٹھیک کا پیغام دے چکے ہیں،  
 لہذا پائلٹ کو حکم دو کہ جہاز کا رخ نوے ڈگری پر موڑے۔“

کے ہیں، ان کے جیسے نہایت آسانی سے الگ الگ کیے جا سکتے  
 ہیں اور چند منٹ میں انہیں جوڑا جا سکتا ہے، اب تم لوگ سوچ  
 رہے ہو گے کہ جب ایئر پورٹ کے نگران عملے نے ان اچھی کیوں  
 پر آلہ لگا کر دیکھا ہو گا، تو انہیں شین گنز اور پستولوں کی  
 موجودگی کا پتا کیوں نہ چلا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ آگے  
 اور فلاح کی چیزوں کی نشان دہی کرتا ہے جب کہ شین گنز اور  
 پستول ہمارے ملک کی ایک اور ہی دھات سے بنائے گئے ہیں،  
 یہ دھات زیادہ سے زیادہ درجہ حرارت پر بھی نہیں پگھلتی، چنانچہ  
 اس وقت ہم نے ہمارے جہاز اور تم پر اتنی آسانی سے قبضہ  
 کر لیا ہے کہ شاید ڈاکوؤں کا کوئی گروہ کسی بنک پر بھی اتنی  
 آسانی سے قبضہ نہیں کر سکا ہو گا اور اب جہاز سیدھا ہمارے  
 ملک کی طرف جا رہا ہے، پائلٹ اگر کسی طرح دائرہ لیس پر  
 اس حادثے کی خبر اپنے ملک کے حکام کو دینا بھی چاہے تو بھی اب  
 پتہ نہیں ہو سکتا۔ ہم اس وقت ایک ایسے ملک کے اوپر سے گزر رہے  
 ہیں جو ہمارا تو دوست ہے، لیکن ہمارے ملک کا بدترین دشمن ہے،  
 لہذا ہماری رائی کا اب کوئی اسکان نہیں، اب تو تم ہماری شرائط  
 ماننے جانے کے بعد ہی رہا ہو سکتے ہو اور اگر تمہارے ملک نے  
 ہماری شرائط ماننے سے انکار کر دیا تو تم سب کو ایک لائن میں  
 کھڑا کر کے گولیوں سے اڑا دیا جائے گا۔

نہیں نہیں..... نہیں: بہت سے لوگ ڈرے ڈرے انداز میں  
 چلائے، ایک اور آدمی اپنی سیٹ پر بے ہوش ہو گیا، اس کا سر  
 سینے پر جھک گیا۔

چیننے اور چلانے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا، اس مہم کا انچارج  
 میں ہوں، میرا نام کرنل مارتھر ہے، تم لوگ مجھے کرنل کہہ کر بھی  
 مخاطب کر سکتے ہو، اب تم لوگ تلاشی دینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔  
 "لیکن کرنل تلاشی کی کیا ضرورت ہے، تمہاری طرح ہمارے  
 پاس نئی دھات کے بنے ہوئے پستول تو شین ہو سکتے۔  
 انسپکٹر جمشید نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔

یہ میں جانتا ہوں کہ تلاشی کیوں لی جا رہی ہے، کرنل نے  
 ان کی طرف دیکھنے کی ضرورت بھی نہ سمجھی۔ انسپکٹر جمشید نے بھی  
 چپ سا دھل، تاہم ان کا ذہن گہری سوچ میں مصروف تھا۔  
 رویو نے جلدی جلدی تلاشی شروع کر دی، مسافروں کا بُرا حال  
 تھا۔ اسی وقت انہوں نے کرنل مارتھر کو کہتے سنا:

"ٹائیگر! ایم بی جان سے کہہ دو کہ کپاس پر نظر رکھے، جہاز کے  
 ناولے میں فرق نہ آنے پائے، مطلب یہ کہ پائلٹ حضرات میں سے  
 کوئی ہمارے ساتھ چالاک نہ کھیل جائے۔"

ٹائیگر نے اس کے الفاظ ایم بی جان کے کانوں تک پہنچا دیے۔  
 ادھر سے ایم بی جان نے کہا:



”نکھر نہ کریں، میں پوری طرح جوکس ہوں۔“  
ایک سو چالیس مسافروں کی تلاشی لینا دو چار منٹ کا کام  
میں تھا، لوگوں کی جیبوں سے جو کچھ نکلتا جا رہا تھا، ردیو اسے  
لیکچور کے ایک پتیلے میں ڈالتا جا رہا تھا۔  
”ابا جان! کیا ہم واقعی دشمن کے قیدی بنائے جا چکے ہیں نہ  
فرزادہ نے سرگوشی کی۔“

”اس وقت تو صورت حال یہی ہے اور ہر ہر منٹ بعد صورتحال  
مازک ہو رہی ہے، کیونکہ ہم اپنے ملک سے دور اور ان کے  
ملک سے نزدیک ہو رہے ہیں، دوسرے یہ کہ ہمارے ملک  
کے ہوائی عملے کو شاید جہاز کے اغوا کے بارے میں ابھی تک  
اطلاع بھی نہیں ہو سکی، اطلاع ہو بھی گئی تو بھی ایک جہاز  
اور اس کے مسافروں کو پہچانے کے لیے وہ کر ہی کیا سکتے ہیں۔  
اس جہاز کو پہچانا اب ہمارے حکام کے بس میں نہیں رہا۔ جہاز  
کے اندر بھی حملات انتہائی خراب ہیں، پلانٹ روم میں دونوں  
پائلٹوں کے سر پر ایک دشمن بندوق بے کھڑا ہے، درمیانی دروازے  
میں بھی ایک آدمی موجود ہے اور ہمارے آس پاس دو دشمن  
ہیں، ان میں سے ایک کے پاس ٹین گن ہے، اب ذرا  
غور کرو، اگر ہم قریب کے دو دشمنوں پر کسی طرح قابو بھی پا  
لیں، تو دروازے میں کھڑا ٹائیگر ہمیں نشانہ بنا سکتا ہے اور اگر

فرض کیا، ہم کسی نہ کسی طرح ان دو کے ساتھ دروازے والے  
پر بھی وار کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو بھی پانسا انہی کے  
ہاتھ رہے گا، سب کچھ ختم ہوتے دیکھ کر یہ پائلٹوں کو ختم  
کر سکتے ہیں اور اس صورت میں ہم سب موت کے گھرے  
گلاے میں جا گریں گے۔ اب تم ہی تہاد، کیا کر سکتے ہیں۔“

”یہ چاروں ایک ہی قطار میں بیٹھے ہوئے تھے، جس طرح  
ہم ایک قطار میں بیٹھے ہیں۔“ فرزانہ نے عجب سے بچے میں کہا۔  
”کیا مطلب؟ اس سے مہمان کیا مطلب؟ انسپکٹر جیشد چونکے۔  
وہ اتنی دھیمی آواز میں باتیں کر رہے تھے کہ ان کے نزدیک  
ترین مسافر کے پلے بھی کوئی بات نہیں پڑ رہی تھی۔ یوں بھی  
ایسے میں مسافروں کو بھلا ان سے یا ان کی باتوں سے کیا دلچسپی  
ہو سکتی تھی، ان کی تو جان پر بنی تھی۔ انہیں تو موت نظر آ  
رہی تھی۔“

”سننے کا مطلب یہ کہ اس قطار میں ان کے علاوہ بھی ایک  
آدمی بیٹھا ہے، لیکن یہ شکل اور صورت کے لحاظ سے اپنے ہی  
ملک کا جان پڑتا ہے، گویا یہ ان کا ساتھی نہیں، اس کا مطلب  
یہ ہے کہ یہ کل چار ہی ہیں۔“

”ہاں! میرا بھی یہی خیال ہے کہ یہ چار ہی ہیں تو پھر۔“  
”اگر ہم ان چاروں کو کسی ترکیب سے ایک جگہ جمع ہونے



پر مہمور کر دی تو شاید کچھ کام بن جائے۔ اس نے کہا۔  
سوال تو یہ ہے کہ ہم انہیں ایک جگہ جمع کس طرح کر  
سکتے ہیں۔

میں سوچ رہی ہوں، شاید کوئی ترکیب میرے ذہن میں آ  
جائے۔ فرزانہ بولی۔

ضرور سوچو! انسپکٹر جمشید نے کہا۔

مجھے تو اس بے چاری ایڈموسٹس مس رونا، اس کی ساتھیوں  
اور سنوٹروں پر ترس آ رہا ہے۔ خدا جانے ان خالوں نے ان  
کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ فاروق نے دھک بھرے لہجے میں کہا۔  
وہ مارا؟ اچانک محمود کے منہ سے نکلا۔

یا اللہ رحمہ! تم جہاز پر بھی شکار کھینے لگے۔ فاروق بولا۔

آبا جان! میں پیشاب کے بہانے اندر جانے کی کوشش کرتا  
ہوں، شاید میں مس رونا اور دوسروں کے بارے میں کچھ معلوم کر سکوں اور  
اگر میں اس تک پہنچ گیا تو ہو سکتا ہے، اس سے کوئی کام کی  
بات معلوم ہو جائے۔

بات تو ٹھیک ہے، البتہ پہلے ہاتھ رکھ کر بیٹھنے سے یہ کہیں  
بہتر ہے کہ کچھ نہ کچھ کر ڈالا جائے، محمود، پہلو شروع ہو جاؤ۔  
بہتر! اس نے دلی آواز میں کہا اور پھر قدرے بلند  
آواز میں کہا۔

آبا جان! میں.... تم.... میں....

کیا بات ہے بیٹے! انسپکٹر جمشید نے شفقت سے بھرپور  
آواز میں کہا۔ آواز اتنی ادنیٰ تو تھی ہی کہ کرنل ماتھر تک  
پہنچ گئی۔

میں پیشاب کرنا چاہتا ہوں۔

اوہ! انہوں نے فکر مند لہجے میں کہا پھر انہوں نے گردن  
کرنل ماتھر کی طرف گھمائی:

کرنل! کیا اس بچے کو پیشاب کرنے کی اجازت ہے۔  
ہاں! کیوں نہیں، لیکن لیٹرین کی طرف جانے سے پہلے اسے  
تلاشی دینا ہوگی۔

کیوں نہیں.... ضرور۔

چلو! آگے آ جاؤ۔ ماتھرنے کہا اور محمود اٹھ کر دیمو کی  
طرف چل پڑا۔ قریب پہنچا تو دیمو اس کی طرف متوجہ ہو گیا  
اور اس کی جیبوں میں جو کچھ بھی تھا، نکال دیا۔ ان چیزوں  
میں کچھ نقدی، سکول کا کارڈ اور ایک پنسل ٹارچ تھی۔  
تھیں۔ اب، تم پیشاب کرنے جا سکتے ہو، سیدھے چلے

جاؤ، دروازے سے گزر کر بائیں ہاتھ لیٹرین ہے۔

بہت بہت شکریہ! محمود نے کہا اور آگے بلاہ گیا۔ دیمو  
نے پھر مسافروں کی تلاشی شروع کر دی۔ محمود نے دروازہ عبور

کیا اور اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا۔ اس نے بائیں طرف نظر ڈالا، ٹرانٹ لکھا نظر آیا، دائیں طرف نظر ڈالی، کچن لکھا نظر آیا، وہ دبے پائوں کچن کی طرف بڑھا۔ دروازہ بند تھا، ہینڈل گھما کر اندر کی طرف دباؤ ڈالا، دروازہ نہ کھلا۔ شاید تالا لگا دیا گیا تھا۔ اس نے تالے کے سوراخ میں سے اندر نظر ڈالی تو مس رونا اور دوسرے اسے ٹائیکون کی ڈوری سے بندھے فرش بد پر سے نظر آئے۔ محمود نے بے تابی کے عالم میں ادھر ادھر دیکھا مگر کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی جس سے دروازہ کھولا جاسکے، چند لمحوں تک وہ کھڑا سوچتا رہا، پھر اچانک اسے ایک خیال آیا، وہ جلدی سے لیٹرین کی طرف گیا، پیشاب کیا اور واپس چل پڑا۔ دروازہ کھول کر درمیانی راستے سے گزرتا وہ اپنی سیٹ کی طرف بڑھنے لگا۔ کرنل ماتھر نے اس کی طرف ایک نظر ڈالی اور پھر رومیو کی طرف دیکھنے لگا۔ محمود جونی رومیو کے پاس سے گزرا، دھڑام سے گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

اسے گرتے دیکھ کر رومیو گھبرا گیا، کرنل ماتھر نے بھی چونک کر اسے دیکھا۔

”کیا ہوا میرے بچے کو؟“ بیگم جمشید بوکھلا کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور محمود کی طرف لپکیں۔ ان کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید بھی آئے۔

”خبردار! کرنل ماتھر نے چلا کر کہا۔ لیکن اتنی دیر

میں وہ محمود کے پاس پہنچ چکے تھے، فاروق اور فرزانہ البتہ اپنی جگہوں سے صرف اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

”اسے دورہ پڑا ہے، اس قسم کا دورہ اسے پہلے بھی کئی بار پڑ چکا ہے، کیا مسافروں میں کوئی ڈاکٹر ہیں؟“

”ہاں! میں ڈاکٹر ہوں۔ ایک مسافر نے اٹھے بغیر کہا۔

”تو پھر مہربانی فرما کر یہاں تشریف لے آئیے۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

”لیکن میں کیسے آسکتا ہوں؟ ڈاکٹر کا اشارہ سب کی طرف اٹھی ہوئی ٹائیں گن کی طرف تھا۔

”کرنل! ہم آپ کے قیدی سی، لیکن ہمارے بھی کچھ انسانی حقوق ہیں، کیا آپ اجازت نہیں دیں گے کہ ڈاکٹر میرے بچے کو دیکھ لیں، اگر آپ اسے اپنے کام میں رکاوٹ خیال کرتے ہیں تو ہم کچن کی طرف چلے جاتے ہیں۔“

کرنل ماتھر نے فوری طور پر کوئی جواب نہ دیا، ایک دودھے تک وہ کچھ سوچتا رہا اور پھر بولا:

”ٹھیک ہے، تم لوگ اس رشتے کو اٹھا کر دوسری طرف چلے جاؤ اور ڈاکٹر بھی چلے جائیں، لیکن یاد رکھو، اگر تم لوگوں میں سے کسی نے بھی کوئی شرارت کی تو اس کا انجام بہت ہی تک ہوگا، تم دیکھ ہی چکے ہو، پورا جہاز اس دقت ہمدے کنٹرول میں ہے، شرارت کی صورت میں اس کے سوا کچھ نہیں ہوگا کہ سب



کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی ۔  
 میں نہیں سمجھتا کہ ان حالات میں ہم کیا کر سکتے ہیں ۔ انپکڑ  
 جمشید نے بے چارگی کا اظہار کیا ۔

• ٹھیک ہے ، تم لوگ کچن میں چلے جاؤ ۔  
 " لیکن سر! کچن میں تو ایر ہوئیں اور ..... " ٹائیگر نے کہا چاہا  
 لیکن کرنل مقرر نے اس کی بات کاٹ دی ۔

" کوئی بات نہیں ! تم ان لوگوں کو کچن کی چابی دے دو ، یہ  
 ایر ہوٹلوں کو نہیں کھولیں گے ، یہاں بھی اس کے ہاتھ پیر کھول دیے  
 آپ فکر نہ کریں ، ہم اس بچے کو ڈاکٹر صاحب کے معائنے  
 کے بعد واپس بیس لے آئیں گے اور جتنی دیر وہاں ٹھہریں گے  
 اس رعنا وغیرہ اسی حالت میں پڑی رہیں گی ، بھلا ہمیں انہیں کھولنے  
 کی ضرورت ہی کیا ہے ۔

• ٹھیک ہے ، دمیو ، ان لوگوں کی تلاش یے لو ، پھر یہ جاسکتے ہیں ۔  
 کرنل مقرر نے کہا ۔

" اوکے سر! " دمیو نے کہا اور جلدی جلدی ان کی تلاشی لینے  
 لگا ۔ ان کی جیبیں خالی کرنے کے بعد اس نے کہا ۔

" ڈاکٹر کے بیگ میں کچھ دوائیں رہنے دی ہیں ، باقی سب چیزیں  
 نکال لی گئی ہیں ۔

• ٹھیک ہے ۔ اب تم لوگ کچن میں جاسکتے ہو ، میں تمہیں صرف

دس منٹ دیتا ہوں ، دس منٹ بعد تم خود بخود واپس آ جاؤ گے ۔  
 بہت بہت شکریہ کرنل ، آپ کا مشن کچھ بھی ہو ، آپ انسانی  
 ہمدردی سے خالی نہیں ہیں ۔ انسپکٹر جمشید نے آواز کو جذباتی بناتے  
 ہوئے کہا ۔

• بس اب تم جاؤ ۔

انپکڑ جمشید نے جھک کر محمود کو کندھے پر اٹھایا اور وہ  
 باورچی خانے کی طرف چل پڑے ۔ خالق اور فرناز کچھ سوچ کر  
 وہیں رک گئے تھے ۔ انسپکٹر جمشید نے بھی انہیں ساتھ آنے کے  
 لیے نہیں کہا ، چنانچہ وہ دوبارہ بیٹھ گئے ۔ دمیو نے پھر سے  
 تلاشی شروع کر دی ۔

ادھر انسپکٹر جمشید محمود کو کندھے پر اٹھائے ، بیگم جمشید اور ڈاکٹر  
 کو ساتھ لیے درمیانی کوروازہ عبور کر گئے ۔ کچن کا دروازہ کھول کر  
 اندر داخل ہوتے ہی انسپکٹر جمشید مس رونا کی طرف بڑھے اور اس  
 کی رسیاں کھولنے لگے ۔ یہ دیکھ کر ڈاکٹر چونکا اور اس نے  
 بوکھلا کر کہا ۔

" یہ آپ کیا کر رہے ہیں ؟



ہوئے پوچھا۔

”مجھے ڈاکٹر الیکس کہتے ہیں: وہ بولا۔

”دیکھو ڈاکٹر! ہمارے پاس وقت بہت کم ہے، ہمیں صرف دس منٹ کی مہلت دی گئی ہے، اس میں سے تین منٹ ختم ہو چکے ہیں۔ آپ بس خاموشی سے دیکھتے جائیے۔ یہ کہہ کر وہ ایریزبوسٹس کی طرف بڑھے۔

”مس رینا! اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ایک پستول والا پانٹوں کے سر پر کھڑا ہے، دوسرا پائلٹ روم کا دروازہ کھول کر تین گن بے کھڑا ہے اور تیسرا تین گن بے باقی تمام مسافروں کو گوریکے ہوئے ہے، چوتھا آدمی مسافروں کی تلاشی لے رہا ہے۔ اور جہاز دشمن ملک کا رخ کر چکا ہے، ہم اپنی منزل سے بالکل مختلف سمت میں جا رہے ہیں، اب یہ بتائیے کہ ان حالات میں ہم کیا کر سکتے ہیں، کوئی ایسی ترکیب کہ سانپ بھی مر جائے اور لامٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ انسپیکٹر جمشید علی مدنی کہتے چلے گئے۔

”اوہ! مس رینا دھمک سے رہ گئی اور پھر گہری سوج میں ڈوب گئی آخر اس نے سر اوپر اٹھایا اور مایوس آواز میں بولی:

”افسوس! بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں۔  
”بالکل کوئی راستہ نہیں، انسپیکٹر جمشید بولے۔

”نہیں؟

## وہ چیز

”کیا آپ واقعی ڈاکٹر ہیں؟ انسپیکٹر جمشید اس کی طرف مڑے۔  
”تو کیا آپ کے خیال میں میں نے جھوٹ بولا تھا؟ اس نے بڑا مافی کر کہا۔

”میں یہی سمجھا تھا کہ شاید آپ نے ہم لوگوں کی چال سمجھ لی ہے اور ہماری مدد کرنے کے لیے یہ کہہ دیا کہ آپ ڈاکٹر ہیں۔  
”نہیں! یہ سچ ہے کہ میں ایک ڈاکٹر ہوں، کیا یہ لڑکا واقعی بے ہوش نہیں ہے؟

”نہیں! ہم ایریزبوسٹس سے کچھ مشورہ کرنا چاہتے تھے، تاکہ موجودہ صورت حال سے نجات حاصل کر سکیں اور دشمن ملک کے قیدی بننے سے بچ جائیں۔

”لیکن آپ لوگ کیا کر سکتے ہیں، ایریزبوسٹس بھی کیا کر سکتی ہے، اس وقت پورا جہاز ان کے کنٹرول میں ہے۔ پائلٹ بھی ان کا حکم ماننے پر مجبور ہیں۔ ڈاکٹر کے لیے میں مایوسی تھی۔

”آپ کا نام کیا ہے ڈاکٹر؟ انسپیکٹر جمشید نے گھڑی کی طرف دیکھتے

لے رہا تھا، لیکن صرف چند آدمی باقی رہ گئے تھے۔ دوسرے منٹ میں ان نے اعلان کیا :  
 "مہاشی مکمل ہو گئی ہے۔"  
 "بہت خوب : ان سب کی چیزوں میں سے وہ چیز تلاش کرو :  
 "جی بہتر : ردیو نے کہا۔

ان نے جہاز کے فرش پر ایک جگہ تھیلہ الٹ دیا۔ نقدی اور دوسری چھوٹی موٹی چیزوں کا ایک چھوٹا سا ڈھیر لگ گیا اور ردیو ان چیزوں کو کریدنے لگا۔ مقرر بہتور ان کے سروں پر چوکس کھڑا تھا۔ "ہائپر" بھی ہوشیار نظروں سے باری باری پانکٹ دوم کی طرف اور ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اور ان کے ذہنوں میں بار بار یہ وہ چیز گونج رہی تھی، وہ سوچ ہے تھے، یہ وہ چیز کیا ہے جسے تلاش کیا جا رہا ہے۔



ردیو نے پانچ منٹ تک تمام چیزوں کو اچھی طرح دیکھا بھالا اور پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا :  
 "وہ چیز تو ان چیزوں میں نہیں ہے۔"  
 "اوہ ! کرنل مائیکر کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔ پھر اس نے تمام مسافروں پر ایک نظر ڈالی اور قدم باندھ کر آواز میں بولا :

"کیا جہاز پر حملے کے لیے کوئی ہسپتال وغیرہ نہیں ہے۔ جو ادھر ادھر کہیں چھپا کر لکھا ہوا ہو۔"  
 "مجھے انہوں نے جہاز میں ایسا کوئی انتظام نہیں ہوتا، بعض اوقات پانکٹ کو ہسپتالوں سے جانے کی اجازت دی جاتی ہے، لیکن اس وقت جو پانکٹ جہاز کو چد رہے ہیں، ان کے پاس کوئی ہسپتال نہیں ہے۔"

"ہوں ! خیر ! میں پھر بھی ایکس نہیں ہوں گا، اچھا آپ کو اسی طرح بندھے رہنا پڑے گا، البتہ میں رسیاں ڈھیلی باندھ دیتا ہوں تاکہ آپ کو تکلیف کم سے کم ہو۔"  
 "بہت بہت شکریہ ! کم از کم آپ کے آنے سے آنا تو ہو ہی جائے گا، شاید آپ اسی جگہ کے والد ہیں، جس نے مجھ سے بہت پیاری باتیں کی تھیں۔"  
 "ہاں آپ کا خیال ٹھیک ہے۔"

"انہوں نے جلدی جلدی مسلمان کو باندھا اور دوسروں کی رسیاں بھی ڈھیلی کیں۔ انسپکٹر جمشید نے محلو کو سہارا دیا اور پھر کچن سے باہر نکل آئے۔ انہوں نے دروازہ بند کر دیا۔ درمیانی دروازہ کھول کر وہ باہر نکل آئے۔ کرنل مائیکر نے ان کی طرف دیکھ کر کہا :  
 "جوش آگیا، چلو بیٹھ جاؤ اپنی سیٹوں پر۔"  
 اور وہ اپنی سیٹوں کی طرف چل پڑے۔ ردیو ابھی تک تلاشی



تم لوگوں میں سے کیپٹن سوتان کون ہے؟

”کیپٹن سوتان! کئی آدائیں ابھریں۔ بہت سے چہروں پر سوال ابھرایا کہ یہ کیپٹن سوتان کون ہے، لیکن جب کسی نے یہ اقرار نہ کیا کہ کیپٹن سوتان کون ہے تو کرنل ماتھر نے غصیلی آواز میں کہا: ”میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمام مسافروں میں سے ایک کیپٹن سوتان ہے اور اسی کے پاس وہ چیز موجود ہے، کیپٹن سوتان! میں تم سے مخاطب ہو کر کہتا ہوں کہ فوراً اپنے آپ کو ظاہر کرو اور وہ چیز ہمارے حوالے کر دو، ورنہ تمہاری کم از کم سزا یہ ہوگی کہ تمہیں تلاش کرنے کے بعد جہاز سے نیچے پھینک دیا جائے گا، اگر جان پیاری ہے تو اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ اور کہہ دو کہ تم ہی کیپٹن سوتان ہو۔“

اس سنی خیز اعلان کے باوجود کوئی اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔ اب تو کرنل ماتھر کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

”تم یوں نہیں مانو گے، تم خود اپنی سوٹ کو آواز دے رہے ہو، کیپٹن تم مجھے نہیں جانتے... میں وہ ہوں جس سے اپنے اچھے کاٹتے ہیں۔ رومیو۔ تمہیں ایک اور چکر لگانا ہے، ان سب کے شناختی کارڈ چیک کرو اور دیکھو کہ ان میں سے کون میک اپ میں ہے، یعنی کارڈ چیک کرتے وقت ان کے چہروں کو بھی ٹھونکتے رہو۔“

”بہت بہتر جناب! رومیو نے کہا اور چیزوں کے ڈبھیر کو جوں کا توں چھوڑ کر نئے کام میں مصروف ہو گیا، اس نے گرج کر کہا: ”تمام لوگ اپنے اپنے کارڈ ہاتھوں میں لے لیں۔“

سب نے اپنے اپنے کارڈ نکالتے شروع کر دیے۔ رومیو ایک ایک کارڈ دیکھتا اور چہرہ ٹھوٹا آگے بڑھنے لگا، ان سب کے دل دھک دھک کر رہے تھے، آنکھوں میں بالوسی ڈیرے جا رہی تھی، دور دور تک بچ نکلتے کی کوئی صورت نظر آرہی تھی: ”اب کیا ہو گا۔ آبا جان! فرزانہ کے منہ سے حسرت زدہ لہجے میں نکلا۔“

”میں یہی سوچ رہا ہوں کہ اب کیا ہو گا، کیا تم کوئی ترکیب سوچ سکی ہو؟ انہوں نے اپنے مصنوعی کارڈ نکالتے ہوئے کہا۔ ”میرا ذہن شاید ناکارہ ہو گیا ہے، اس نے منہ بنایا۔“

”اچھے موقع پر ناکارہ ہوا ہے، چلے کبھی نہ ہوا، خیر ابھی میرا اور محمود کا ذہن سلامت ہے، ہم کوئی ترکیب سوچ کر دکھائیں گے، آبا جان! یہ بتائیں کرنا کیا ہے؟ فاروق نے کہا۔ ”اگر کسی طرح یہ لوگ ایک جگہ جمع ہو جائیں تو شاید ہم کچھ کر سکتے ہیں۔“

”آپ کا مطلب ہے، پاکٹ بوم سے ایمر بی جان اور دونوں پر سے ٹائیگر ہٹ کر کرنل ماتھر کے پاس آجائیں اور رومیو بھی آ



ہاں! صرف یہی ایک ترکیب ایسی ہے جس سے ہم کوئی گمشدہ کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ایم بی جان کیوں اپنی جگہ بھڑکنے لگا، ٹائیکو تو شاید کسی طرح ادھر آ بھی جائے۔ محمود بولا۔

یہی سوچنا تو تمہارا کام ہے۔ انپکٹر جمشید مسکرائے۔

کیا آپ کوئی ترکیب سوچ چکے ہیں؟ فاروق نے چونک کر پوچھا۔

اگر سوچ چکا ہوتا تو تم سے کیوں کتا؟

ایک نیا۔۔۔ کیپٹن سوتان کا پیدا ہو گیا ہے، آخر یہ کیپٹن سوتان کون ہے، اس کے پاس کیا چیز ہے؟

اں! یہ بھی ایک مسئلہ ہے۔

ابا جان! کچھ بھی ہو، ہم دشمن کی قید میں نہیں جائیں گے، یہ فرمال بھی نہیں بنیں گے، خدا جانے وہ ہمیں قید کر کے ہمارے ملک سے کیا کیا مطالبات منوانا چاہیں۔ فاروق بولا۔

یہ کون چاہتا ہے کہ وہ دشمن ملک کا قیدی بنے، لیکن مجبوری سب کچھ کراتی ہے؟

نہیں! ہم مجبور نہیں ہیں، ہم ہاتھ پیر ضرور ماریں گے۔ فاروق نے کہا۔

فاروق! یہ تم بول رہے ہو۔۔۔ کے بے میں بھی حیرت تھی۔

کیا تمہیں شک ہے؟ فاروق تنک کر بولا۔

اچھا بھلا تم کیا کرو گے؟ فرزانہ نے جلدی سے پوچھا۔

بس دیکھتی جاؤ، فاروق نے کہا اور بے چینی کے عالم میں سیٹ پر سنبھلا۔

فاروق! کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھا! انپکٹر جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔

لیکن ابا جان! دشمن کی قید میں جانے سے غلط قدم اٹھا بیٹھا کیا مناسب نہیں ہو سکتا ہے، وہ غلط قدم ہی ہمارے لیے مبارک قدم ثابت ہو جائے۔

ابھی جواب میں انپکٹر جمشید کچھ کہہ بھی نہیں پائے تھے کہ ریڈیو کی آواز نے انہیں چونکا دیا:

کرنل! ان میں سے کوئی شخص کیپٹن سوتان نہیں ہے!

کیا کہتے ہو، میری اطلاعات غلط نہیں ہو سکتیں، مجھے بہت ہی خاص ذرائع سے یہ اطلاع ملی ہے کہ کیپٹن سوتان اس جہاز پر سوار ہے۔ اگر وہ سوار نہ ہوتا تو شاید ہم اس جہاز کو اغوا کرنے کی کوشش بھی نہ کرتے، یوں سمجھ لو، یہ ایک ہفتہ دو کالج والا معاملہ ہے، کیپٹن سے ہم وہ چیز بھی حاصل کر لیں گے اور جہاز بھی مسافروں سمیت اپنے ملک سے جائیں گے، اس طرح ہم ان کے ملک سے ایک مطالبہ منوا سکیں گے اور یہ ایک شاندار کارنامہ ہو گا۔ یعنی اپنے ملک کی خدمت کرنے کے ساتھ ساتھ ہمارا بھی بھلا ہو گا، ورنہ حکومت کی طرف سے ہمیں ایسی کوئی ہدایت نہیں ملی تھی کہ ہم وہ جہاز ہی اغوا کریں جس میں کیپٹن سوتان سفر کر رہا ہو، ہماری حکومت کو تو بس مسافروں سے بھرے ایک جہاز کی ضرورت ہے۔

”کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کیپٹن سوتان کا معاملہ ہمارا خاکی معاملہ ہے؟“ رومیو کے لیے میں حیرت تھی۔

”ہاں بالکل..... اور اس چیز سے ہم اتنی دولت حاصل کریں گے کہ ہم نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی ہوگی۔“

”اوہ! رومیو کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ پھر اس نے کہا۔“

”لیکن سوال یہ ہے کہ میں کیپٹن سوتان کو کیسے تلاش کروں، وہ ضرور بہترین ایک اپ میں ہے اور شاید اس نے اپنے کارڈ

پر ایک اپ والی ہی تصویر لگا رکھی ہے۔“

”ہوں! تمہارا خیال ٹھیک ہے، لیکن جب تک میں سوتان کو

تلاش کر کے اس سے وہ چیز نہ حاصل کر لوں، اپنے ملک میں

بھار نہیں آتا رہتا، ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ اپنے ملک کی

صدد میں داخل ہونے سے پہلے نہ صرف کیپٹن کو تلاش کر

لیں، بلکہ اس سے وہ چیز بھی حاصل کر لیں۔“

”ہم کیا کریں، ترکیب آپ بتا دیں، عمل میں کر ڈالتا ہوں۔“

رومیو نے کہا۔

”ترکیب میں بتائے دیتا ہوں۔ کرنل ماتھر نے دھیانہ مسکرہٹ

چہرے پر لاتے ہوئے کہا، پھر مسافروں سے مخاطب ہو کر بولا:

”تم میں سے کوئی دو آدمی کھڑے ہو جائیں۔“

کوئی مسافر بھی کھڑا نہ ہوا، بس چھٹی چھٹی آنکھوں سے کرنل

ماتھر کو دیکھتے رہے۔ اس نے غرا کر کہا:

”رومیو! یہ اس طرح نہیں اٹھیں گے، تم ان میں سے کوئی سے

دو آدمیوں کو کھڑا کر دو۔“

رومیو کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں ایک قدم آگے بڑھا اور اس

نے دو مسافروں کو گریبان سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ ان کے رنگ فق

ہو گئے۔ کرنل ماتھر دونوں کو چند لمے تک عجیب سی نظروں سے

گھورتا رہا پھر سانپ کی طرح پھٹکارا:

”تم دونوں میں سے کیپٹن سوتان کون ہے؟“

”م..... میں..... تو ہرگز بھی سوتان نہیں ہوں! ان میں سے

ایک نے مقررہ فقر کا پتلی آواز میں کہا۔

”اور..... نہ میں ہوں۔“

”ہوں..... شیر میں مانے لیتا ہوں کہ تم دونوں میں سے سوتان

کوئی نہیں، رومیو..... ذرا، پناہ پستول نکال لو! اس نے رومیو کی

طرف دیکھے بغیر کہا۔

”میں نے پستول نکال لیا ہے۔“

”کیپٹن سوتان! تم ان مسافروں میں موجود ہو، میں جانتا ہوں،

اس خیال سے میں تمہارے دوست ملک کے باشندے سوار ہیں،

میں ان دونوں کو گولی سے اڑانے جا رہا ہوں، لیکن اگر تم نے اٹھ

کہ یہ کہہ دیا کہ تم کیپٹن سوتان ہو تو انہیں گولی نہیں ماری جائے گی،



اگر تم میں ذرا بھی انسانی ہمدردی ہے تو فوراً کھڑے ہو جاؤ اور ان دونوں کی جان بچا لو۔ یہ کہہ کر کرنل ماتھر نے چند لمحے تک انتظار کیا، لیکن کوئی آواز نہ سنی دی نہ کوئی کھڑا ہوا۔ آخر کرنل ماتھر نے کہا: "دو دو! میں تین تک گنوں گا، اگر تین پہ بھی کسی نے اپنے کیپٹن سٹوان ہونے کا اعلان نہ کیا تو تم ان دونوں کے سروں میں ایک ایک گولی اتار دینا، یاد رہے، تمہاری کوئی گولی ضائع نہ جائے۔ بہت بہتر! نہیں جائے گی۔" دو دو کی آواز گونجی۔

ایک: کرنل نے بدکون آواز میں کہا اور دونوں مسافر غرقِ ہنسنے لگے۔ انہوں نے ڈرے ڈرے انداز میں ایک ساتھ کہا:

نہیں... نہیں...

۱۔ دو... کرنل کی آواز نے تمام مسافروں کے ہوش اٹا دیے۔  
مسافروں کی حالت اور بھی خراب ہو گئی۔

یقیناً! کرنل کے منہ سے نکلا۔

”عظمو! میں کیپٹن سوتان ہوں، میری وجہ سے تم انہیں گولی نہیں مار سکتے۔“

محمّد، فاطمہ، زین العابدین اور یحییٰ بن زکریاؑ جیسے بڑی طرح چونکے، کیونکہ یہ جملہ انسبکٹر جیسے نے کہا تھا۔

ایک دو تین

کنٹرل بائزر کے ساتھ روپیہ اور ٹائیگر نے بھی ان کی طرف حیران ہو کر دیکھا۔ دوسرے مسافر بھی انہیں آنکھیں میچاڑ چھاڑ کر دیکھنے لگے۔ آخر کنٹرل بولا:

تو تم کیپٹن سوتان ہو۔ اس کا مطلب ہے، تمہارا لڑکا جان بوجھ کر بے ہوش ہوا تھا، تاکہ تم وہ چیز کمیں اندر جا کر چھپا دو۔ یہ بات نہیں، تمہارے ساتھی دیوید نے ہمارے اندر جانے سے پہلے تلاش کی تھی۔

تب تم نے وہ چیز کسی ایسی جگہ چھپا رکھی ہوگی جہاں رومیو کا خیال نہیں گیا ہوگا اور اب وہ چیز یقیناً کہیں یا لٹرین میں کہیں ہوگی، رومیو، فوراً کہیں میں جاؤ، اس کا بغور جائزہ لو اور لٹرین کو بھی دیکھو، تمہیں وہاں سے وہ چیز برآمد کرنی ہے۔ لیکن سر..... رومیو نے کچھ کہنا چاہا، لیکن کرنل ماتھر نے

چچ نہ کر کہا :

لیکن دیکھیں کچھ نہیں، حکم کی تعمیل کی جائے :

”بہت بہتر سر! اس نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا اندر کی طرف چلا گیا۔

”کیپٹن سوتان تم نے اچھا کیا، اب خود اٹھ کر کھڑے ہو گئے، دروازہ دو مسافر اس وقت اپنے ہی خون میں لوٹ رہے ہوتے۔“

”میں یہ کس طرح برداشت کر سکتا تھا؟ انسپکٹر جمشید بولے۔

”سر! کیا اس طرح ہمارا وقت ضائع نہیں ہو رہا؟ اچانک ٹائیگر بول پڑا۔

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ اگر کیپٹن سوتان کی چھپائی ہوئی وہ چیز ردیو کو نہ ملے تو آپ اس سے پوچھیں گے کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ آپ پہلے ہی اس سے یہ معلوم کر لیں کہ اس نے وہ چیز کہاں چھپائی ہے؟“

”تم نے ٹھیک کہا، چلو کیپٹن سوتان! یہ بتاؤ، تم نے اسے کہاں چھپایا ہے؟“

”افسوس! میں نہیں جانتا۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

”کیا کہا..... نہیں جانتے، ٹائیگر تم کیپٹن کو روم میں لے لو، اگر یہ منہ سے نہ اگلے تو گولی مار دو۔“

”اس طرح اس کے ساتھ کئی دوسرے آدمی بھی مری گئے، میرے

اتحاد میں بیٹن گئے ہیں۔ ٹائیگر نے گویا یاد دلایا۔

”میں جانتا ہوں، تم فکر نہ کرو، ہمارے نزدیک ان کی حیثیت چرموں سے زیادہ نہیں۔“

”کیا کہا..... ہم چہرے ہیں، فاروق نے تڑپ کر کہا

”خاموش رہو، کیپٹن کے بچے! کرنل ماتھر نے اسے گھورا۔

”تم کچھ نہ بولو، انسپکٹر جمشید نے کچھ سوچ کر اسے ڈانٹا۔

”ہاں تو میں تین تک گنوں گا، اگر تین کے بعد بھی تم نے نہ

بتایا تو گولیوں کی بوچھاڑ تمہارا جسم چھلنی کر دے گی۔“

”پردہ نہیں!“

”بے وقوف! اگر زندہ نہ رہے تو وہ چیز تمہارے کس کام آئیگی؟“

”میرے نہ سہی! میری قوم کے کام تو آئے گی ہی، انسپکٹر

جمشید مسکرائے۔

”یہ بھی تمہاری خوش فہمی ہے، جب پورا جہاز ہی ہمارے ملک

پہنچنے والا ہے تو وہ چیز تمہاری قوم کے کام کس طرح آئے گی؟“

”میں نے ناامید ہوتا نہیں سیکھا، خدا نے چاہا تو یہ جہاز

واپس جائے گا۔ انسپکٹر جمشید بولے:

”ہاں شاید! ایسا دن خوب میں آجائے۔ کرنل ہنسا۔

”تم تین تک گنو اور پھر قدرت کا تقاضا دیکھو۔“

”میں ایسا ضرور کروں گا، کیونکہ میں نے لوگوں کی گیدڑ بیکیوں

میں آنا نہیں سیکھا! کرنل نے کہا اور ساتھ ہی بولا: ”ایک۔“



ایک کے ساتھ ہی ٹائیگر کا جسم تن گیا، اس کی انگلی ٹریگر پر دباؤ ڈالنے لگی۔ ادھر اسپیکٹر جمشید کے آس پاس بیٹھے ہوئے مسافر چیخنے چلانے لگے۔ اس شور میں کرنل کی آواز بھر گئی:

اس کے ساتھ ہی اندر کی طرف سے رومیو کی آواز سنائی دی: "جے افرکس ہے سر! میں اندر وہ چیز تلاش نہیں کر سکا۔ کوئی بات نہیں، اب کیپٹن خود بتائے گا کہ اس نے اسے کہاں چھپایا ہے۔ اس نے کہا پھر ٹائیگر کی طرف دیکھ کر بولا۔

یتن کے ساتھ ہی مسافروں میں سے ایک مسافر اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور چیخا:

"مٹرو! کیپٹن سوتان یہ شخص نہیں، میں ہوں۔"



جہاز کے مسافروں نے اس شخص کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ سب سے زیادہ بہت اسپیکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ کو ہوئی، یہ وہی ڈاکٹر تھا جو ان کے ساتھ محمود کو ہوش

میں لانے کے لیے گیا تھا:

"تم.... ڈاکٹر سوتان تم ہو؟ کرنل ماتھر نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! میں ہی ہوں اور وہ چیز میں نے واقعی کچن میں چھپا دی ہے، میں اسی لیے ان لوگوں کے ساتھ گیا تھا۔

"تت... تو تم ڈاکٹر نہیں ہو؟

"یہ بات بھی نہیں، میں ایک ڈاکٹر بھی ہوں.... جس طرح تم ایک پنچہ دو کالج کرنے کا ارادہ رکھتے ہو، اسی طرح میں نے بھی یہی کیا ہے، اس ریل کے علاج کرنے کے ساتھ ساتھ وہ چیز بھی وہاں چھپا آیا۔ کیپٹن سوتان نے کہا۔

"تو پھر اب یہ بات کیوں بتا دی؟

"میں اس شخص کو کیسے مرتے ہوئے دیکھ سکتا ہوں جس نے میرے نام پر قربان ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ کیپٹن نے کہا۔

"بہت خوب! تو پھر اب ذرا جلدی سے بتاؤ کہ وہ چیز تم نے کہاں چھپائی ہے؟

"کچن میں کافی کے ایک خالی ڈبے میں، اس ڈبے کو نظروں سے بچانے کے لیے میں نے بوتلوں کے کریٹوں کا سہارا لیا ہے، چنانچہ ڈبا ہتھیں ان کریٹوں کے درمیان کہیں مل جائے گا۔"

"بہت خوب! رومیو! جلدی کرو، کریٹوں کو ادھر ادھر کر کے دیکھو اور اگر وہ چیز وہاں موجود ہے تو لے آؤ۔"

”او کے سر؛ ردیو نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا چلا گیا۔  
 ”یہ آخر وہ چیز کیا ہے؟ بیگم جیش نے چلا کر کہا۔  
 ”ناموش رہو، یہ بات کسی کو نہیں بتائی جا سکتی۔ ٹائیگر.....  
 ادھر کا کیا حال ہے۔“

”ادھر بالکل ٹھیک ہے سر! پائلٹ دم بخود اپنی سیٹوں پر بیٹھے ہیں، جہاز بالکل درست سمت میں جا رہا ہے۔“  
 ”ایم بی جان سے کہو، سمت بتانے والے آلے پر نظر رکھے، کہیں پائلٹ کوئی چال نہ چل جائیں۔ ٹائیگر نے اس کے الفاظ ایم بی جان کے کانوں تک پہنچا دیے۔  
 ”فکر نہ کرو، میں پوری طرح جوکس ہوں، تم جانتے ہی ہو، میں ہوائی راستوں کا ماہر ہوں۔“  
 ”اسی لیے تو تمہیں یہاں کھڑا کیا گیا ہے۔“ ٹائیگر نے ہنس کر کہا اور کرنل کو بتایا کہ سب ٹھیک ہے۔  
 اسی وقت ردیو آتا نظر آیا۔ اس کا چہرہ دکھا ہوا تھا۔

آتے ہی بولا:  
 ”کریٹوں کے درمیان کوئی خالی ڈبا نہیں ہے سر! کچھ میں کافی کا کوئی خالی ڈبا ہے ہی نہیں۔“  
 ”کیا کہا.... خالی ڈبا ہی نہیں ہے، تو پھر کیپٹن سوتان نے ہمیں پکڑ دیا ہے، میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

”اس طرح تمہیں وہ چیز کبھی نہیں ملے گی: کیپٹن سوتان نے پاگلوں کی طرح قہقہہ لگایا۔  
 ”کیا مطلب؟ کرنل چونکا۔

”صرف میں یہ جانتا ہوں کہ وہ چیز کہاں ہے، تم نے مجھے مار دیا تو تمہیں کون بتائے گا اس کے بارے میں؟  
 ”ہوں تو یہ بات ہے.... ردیو، اب ہم کیا کریں؟ کرنل نے پریشان ہو کر کہا۔

”ترکیب میں بتائے دیتی ہوں: جہاز میں ایک آواز گونجی۔ سب نے گھوم کر دیکھا، یہ ایک لڑکی تھی....  
 ”تم ترکیب بتاؤ گی، کرنل کے لہجے میں ہلاکی حیرت تھی۔

”ہاں! میں سب کی جان بچانے کے لیے ایسا کر رہی ہوں، ترکیب یہ ہے کہ تم میں سے دو آدمی مل کر کیپٹن سوتان کو پہلے رسیوں سے باندھ لیں اور اس کے بعد کسی چاقو کی نوک یا اس قسم کی کسی چیز سے کام لے کر ان سے یہ انگوا میں کہ انہوں نے وہ چیز کہاں چھپائی ہے؟ فرزانہ نے پرسکون آواز میں کہا۔

”لڑکی! یہ تم کیا کہہ رہی ہو، میں نے تمہارے باپ کو گولی کا نشانہ بننے سے بچایا اور تم میرے احسان کا یہ بدلہ دے رہی ہو؟“  
 ”مجھے انوکھس ہے، میں نے سب مسافروں کو اس جان کنی کی حالت سے بچانے کے لیے یہ ترکیب بتائی ہے: فرزانہ نے کہا۔



”سر! میرا خیال ہے ترکیب بہت اچھی ہے۔“

”لیکن اس کے لیے ٹائیگر کو دروازے پر بٹانا پڑے گا! کرنل ماتھر نے کہا۔“

”صرف تھوڑی دیر کے لیے، تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔۔۔۔۔“  
کیپٹن سوتان کو بندھا کر وہ واپس اپنی جگہ چلا جائے گا اور اس کے بعد میں سوتان کے لیے اکیلا ہی کافی ہوں گا۔“

”بہت خوب! ترکیب ٹھیک رہے گی، ٹھیک ہے، اس دوران میں سب کو پوری طرح سین گن کی زد میں رکھوں گا۔“ آخر کرنل ماتھر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ پھر ٹائیگر سے بولا۔

”چلو ٹائیگر! تم رومیو کی مدد کرو، کیپٹن کو باندھ لو، اس طرح جگہ دو کہ اس کی صرف زبان حرکت کر سکے۔“

”نہی! یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ کیپٹن سوتان غرایا۔“

”مجھے بہت افسوس ہے کیپٹن! فرزانہ نے اداس ہو کر کہا۔“

ٹائیگر دروازے سے ہٹ کر کرنل کے پاس آیا، اپنی سین گن اس کے پاس فرخس پر رکھی اور رومیو کے ساتھ کیپٹن سوتان کی طرف بڑھا، اتنی دیر میں رومیو جیب سے ٹائیکلون کی رتی نکال چکا تھا۔

”محمود، فاروق۔۔۔۔۔ فرزانہ نے کام دکھا دیا ہے، اب تمہاری باری ہے۔ یہی وقت ہے، شاید پھر ہمیں موقع نہ مل سکے۔“ انسپکٹر جمشید

نے جدی جدی سرگوشی میں کہا۔

”آپ فکر نہ کریں آبا جان! محمود نے اپنے جوتے کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔“

”بہت ہوشیاری کی ضرورت ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔ ساتھ ہی بیگم جمشید کا چہرہ سفید پڑ گیا، کیونکہ آنے والے لمحات موت اور زندگی کے لمحات تھے۔

آن کی آن میں محمود نے اتری میں پوشیدہ چاقو نکالا اور پھر اپنے والد کی اوٹ پیتے ہوئے اُسے نوک کی طرف پکڑ کر پوری مہارت سے کرنل ماتھر کی طرف پھینک مارا۔ کرنل اس وقت رومیو اور ٹائیگر کی کارگزار ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے منہ سے ایک دلہنہ جتنی نکلی اور ساتھ ہی فاروق اور انسپکٹر جمشید نے چپنے کی طرح چھلانگ لگا دی۔ انسپکٹر جمشید نے کرنل پر چھلانگ لگائی تھی جبکہ فاروق نے ٹائیگر والی سین گن پر۔ سین گن اٹھاتے ہی اس نے اس کا ریٹ پالٹ روم کے دروازے کی طرف کر دیا، کیونکہ وہ جانتا تھا، کرنل کی جتن سن کر ایم بی جان غیر ارادی طور پر ادھر متوجہ ہو گا اور یہی ہوا بھی، جو خوش فاروق کو ایم بی جان باہر نکلتا نظر آیا، اس نے فائر کھول دیا۔ ایم بی جان فوراً ہی اوندھے منہ گرا۔ کئی گولیاں اس کے سر میں گھس گئی تھیں۔ باقی جہاز کی دیوار سے ٹکرائی تھیں۔ انجن کی طرف کوئی گولی نہ گئی، فاروق

نے اس کا پہلے ہی خیال رکھا تھا۔

”ننگہ باد بہادر۔ زندہ باد؛ ایک مسافر جوش سے بے قابو ہو کر چیخا۔

”مہربانی فرما کر خاموش رہیں، یہ عقل اور جوش سے کام لینے کا وقت ہے۔“ فرزانہ نے بلند آواز میں کہا۔

اس وقت تک انسپکٹر جمشید کرنل کو چھاپ پکے تھے اور پھر جوشی رویو اور جیکر کیپٹن سوتان کو چھوڑ کر ان کی طرف بڑھے، فاروق پتہ اٹھا:

”خبردار! اگر تم نے اپنی جگہ سے حرکت کی تو انجم ایم بی جان سے مختلف نہیں ہو گا، میرا نشانہ تم دیکھ ہی چکے ہو۔“

دونوں ساکت رہ گئے۔ کرنل میں ابھی کچھ دم خم باقی تھے، وہ برابر خود کو انسپکٹر جمشید کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”اب تمہاری کوشش بے کار ہو گی کرنل، انسپکٹر جمشید نے کہا۔ پھر نمود سے بولے۔

”محمود! پائلٹ سے کہو، جنازہ کا رُخ ایک بار پھر اپنی منزل کی طرف کر دیں۔۔۔ اور فرزانہ تم اندر جا کر مس دعا اور دوسروں کو

کھول آؤ، مسٹر رویو، کپٹن کی چابی ہماری طرف اچھال دو۔“

”بہنیں اچھا لوں گا۔ رویو نے جھلک کر کہا۔

”اگر نہیں اچھا لو گے تو تمہارا کرنل اپنے ہاتھ پیر تڑوا بیٹے گا۔“ یہ کہتے ہوئے انہوں نے کرنل کے داہیں بازو کو موڑنا شروع کر دیا، اس کے حلق سے پھسے تو گٹن گھٹی چینیں نکلیں، پھر اس نے چلا کر کہا:

”رویو! کیا پاگل بن ہے، آخر چابی نہ دے کر ہمیں کیا فائدہ پہنچ جائے گا۔“

اور رویو نے چابی بیب سے نکال کر ان کی طرف اچھال دی۔ ان میں سے کسی نے چابی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا، صرف فرزانہ نے جھک کر چابی اٹھائی اور درمیانی راستے سے نہایت جوش باری سے گزرتی چلی گئی۔ اس نے کوشش کی تھی کہ رویو اور ٹائیگر اسے آڑ نہ بنائیں۔ اگر اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو یہ احتیاط نہ کر سکتی۔ یہ دیکھ کر رویو اور ٹائیگر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”میرا خیال ہے، یہ عام لوگ نہیں ہیں۔ رویو کے منہ سے نکلا۔ عام نہیں تو غامض ہوں گے۔ محور نے پائلٹ روم سے پلٹتے ہوئے کہا۔ پھر انسپکٹر جمشید سے بولا:

”دونوں پائلٹ بہت خوش ہیں اور انہوں نے جنازہ کا رُخ تبدیل کر دیا۔“

”بہت خوب! یہ ہوئی تا بات۔ اب ہم پہلے ان لوگوں کو بازو دھیں گے۔“ یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید نے کرنل کی کپٹی پر ایک زوردار ہاتھ دیکر کیا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ وہ اسے چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔



میں چند مسافروں سے یہ درخواست کروں گا کہ وہ ان لوگوں کو بکرو  
لیں، رسی کچن میں سے مل جائے گی۔ انسپکٹر جمشید نے بلند آواز  
میں کہا۔

فورا ہی پانچ چھ آدمی اٹھے اور کچن کی طرف چلے گئے۔ پانچ  
منٹ بعد ان سب کو باندھا جا چکا تھا۔

اور اب ہم پھر آزادانہ سانس لے سکتے ہیں۔ انسپکٹر جمشید  
نے پرمٹ لے لیے ہیں کہا۔ اس وقت وہ سب لوگ اپنی اپنی  
سیٹ پر بیٹھ چکے تھے۔ صرف انسپکٹر جمشید اس جگہ کھڑے تھے جہاں  
تھوڑی دیر پہلے کرنل ماسٹر کھڑا تھا۔ ان کے ہاتھ میں ابھی تک  
ایک ٹین گن تھی۔ ایسے میں انہوں نے کیپٹن سوتان سے سوال کیا۔  
کیپٹن! کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ چیز کیا ہے جس کے لیے یہ  
لوگ اتنے بے چین تھے؟

مجھے انہوں سے میں نہیں بتا سکتا؟

کیوں! کیا یہ کوئی بہت بڑا راز ہے؟ انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

مجھے نہیں معلوم یہ راز ہے، یا کیا ہے، میں دراصل کیپٹن سوتان  
نہیں ہوں۔

## قیقہ سفر

کیپٹن سوتان کے جیلے پر سب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی۔  
خود کو تھوڑی دیر پہلے کیپٹن سوتان بتانے والا اب یہ کہہ رہا تھا  
کہ وہ کیپٹن سوتان نہیں ہے۔

اگر آپ کیپٹن سوتان نہیں ہیں تو پھر کیا ہیں اور آپ نے  
یہ کیوں کہا تھا کہ آپ کیپٹن سوتان ہیں۔ انسپکٹر جمشید نے بغور  
انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

میں نے یہ کہہ کر آپ کی جان بچانے کی کوشش کی تھی کیونکہ  
مجھے خوف محسوس ہوا تھا کہ مایکرو کوئی چو دے گا۔

اور اس کا مطلب ہے، اصلی کیپٹن سوتان ابھی تک پاب  
بیٹے ہیں اور کسی کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کون سے ہیں اور  
کہاں بیٹھے ہیں۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

بالکل یہی بات ہے۔

آپ حضرات میں سے جو کوئی بھی کیپٹن سوتان ہیں، درباری فرما  
کہ خود کو ظاہر کر دیں، تاکہ ہم اس الجھن سے نجات پاسکیں۔ انسپکٹر

جمشید نے اعلان کیا، لیکن ان کے اعلان پر بھی کوئی نہ اٹھا، کسی نے یہ نہ کہا کہ میں سوتان ہوں۔ یہ دیکھ کر الیکٹر جمشید کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ انہوں نے تمام مسافروں پر ایک نظر ڈالی اور پھر فیصلہ کن لمحے میں بولے:

”اگر کیپٹن سوتان اٹھ کر کھڑے نہیں ہوں گے تو یہ جہاز اپنی منزل کی طرف نہیں جائے گا۔ اس صورت میں یہ واپس جائے گا، ہم اپنے ملک جا کر ہی یہ فیصلہ کریں گے کہ آپ میں سے کیپٹن سوتان کون ہے اور وہ ہمارے ملک سے کیا چیز لے جا رہا ہے۔ یہ الفاظ انہوں نے کافی غصیلی آواز میں کہے تھے، لیکن ان کا ہی کوئی اثر نہ ہوا۔

”ٹھیک ہے، محمود! تم پائلٹ سے کہو، وہ جہاز کو واپس اپنے ملک لے چلے، پہلے ہم ان لوگوں کو قانون کے حوالے کریں گے اور پھر یہ فیصلہ کریں گے کہ ان لوگوں میں سے کیپٹن سوتان کون ہیں اور ان کے پاس کیا چیز ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ ہمارے ملک کی کوئی قیمتی چیز اڑا کر لے جا رہے ہوں، اگر دیکھا نہیں ہے تو انہیں اپنے آپ کو ظاہر کر دینا چاہیے تھا۔

محمود پائلٹ روم کے دروازے کی طرف بڑھا، لیکن اوندھے منہ گرا۔ ساتھ ہی الیکٹر جمشید کے ہاتھ سے شین گن نکل گئی۔ انہوں نے آنکھیں مہلاڑ کر کرناں ہاتھ کو دجھا۔ اس کے ہاتھوں اور پیروں سے

بندھی رسیاں جہاز کے فرش پر پڑی تھیں اور سٹین گن ہاتھ میں لیے وہ مکر رہا تھا۔

سب دم بخود رہ گئے۔ ان کی آن میں پانڈہ پھر پٹ گیا تھا، عجیب ترین بات یہ تھی کہ کرنی ماتھر جو بے ہوش تھا اور جسے رسیوں سے بانڈہ دیا گیا تھا، آخر کس طرح ہوش میں آنے کے بعد رسیوں سے آزاد ہو گیا تھا۔

”تمہاری قسمت آج تمہارا ساتھ نہیں رہی ہے دوستو، یہ جہاز اغوا ہو گا اور ضرور اغوا ہو گا اور ہم کیپٹن سوتان کو بھی ڈھونڈ کر دیکھیں گے، اس سے وہ چیز بھی حاصل کریں گے۔۔۔ ہاتھ اوپر اٹھا دو دوست، میں نے مانا تم بہت تیز ہو، بہت چالاک ہو، لیکن تجھ سے زیادہ نہیں۔۔۔ میں رونا دینا میرے ساتھیوں کے ہاتھ پیر کھول دو، میں جانتا ہوں، تمہیں ابا کرتے ہوئے تکلیف ہو گی، لیکن کیا کیا جائے۔ یہ کام تمہیں کرنا ہی ہو گا۔ کرنل ماتھر کتا چلا گیا۔

میں رونانے سوا یہ تفریوں سے الیکٹر جمشید کی طرف دیکھا بیسے پوچھ رہی ہو۔ اب میں کیا کروں، پھر آنکھ ہاتھ دیکھ کر غاموشی سے آگے بڑھی اور رویو کے ہاتھ کھولنے لگی۔ اس کے بعد ٹائیگر کی طرف بڑھی اور اس کے ہاتھ بھی کھول ڈالے:

”سرا! اتنی جلدی دوبارہ کاسیانی مبارک ہو۔ ٹائیگر نے خوش



جو کر کہا۔

”فرزا پانکٹ روم میں پہنچو، انہیں ابھی یہ معلوم نہیں کہ یہاں کیا تبدیلی واقع ہو چکی ہے، ان سے کہو، واپس اسی زاویے پر موڑ لیں نہ کرنل ماتھر نے ٹائیگر سے کہا۔

”آپ فکر نہ کریں، میں ایم بی جان کی کئی محسوس نہیں ہونے دینا گا۔ اس نے پانکٹ روم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

”اور تم بھی فکر نہ کرو، ہم ایم بی جان کا انتقام ان لوگوں سے ضرور لیں گے۔ کرنل ماتھر بولا۔

ٹائیگر نے تین گن فرسش پر سے اتھائی اور ایم بی جان کی لاکش کے اوپر سے ہوتا ہوا اندر چلا گیا۔ فرزا جی انہوں نے انداز کا رخ تبدیل ہوتے محسوس کیا۔

”قید کا سفر ایک بار پھر شروع ہو چکا ہے، اب تم لوگ کہا کہتے ہو دوستو! کرنل ماتھر نے انسپکٹر جمشید کو طنز بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا:

”مجھے حیرت صرف اس پر ہے کہ تم رسیوں سے کس طرح آزاد ہو گئے؟ انسپکٹر جمشید بولے۔

”یہ بھی ایک راز ہے، بالکل اسی طرت جس طرت یہ راز ہے کہ کیپٹن سوان کون ہے، وہ کیا چیز لے جا رہا ہے۔ کرنل ماتھر مہنا۔

”یہ تو غیر تم جانتے ہو کہ وہ کیا چیز لے جا رہا ہے، لیکن یہ تمہیں واقعی معلوم نہیں کہ ان مسافروں میں سے کیپٹن سوان ہے کون؟“  
”جوں! اب تم اپنا تعارف کرو، تم کون ہو، کم از کم تم عام آدمی تو نہیں ہو، جس طرح تم اور تمہارے بچے حرکت میں آئے تھے، ایک عام آدمی کے ہنس کی بات نہیں۔“

”میرا نام جان کر کیا کرو گے، اپنا کام کرو۔“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔  
”دوبیوان کی طرف مڑا اور ان کی جیب میں سے شناسختی کارڈ نکال کر اس پر لکھا ہوا نام پڑھا۔

جمشید احمد۔

”جمشید احمد... کرنل ماتھر بریٹایا، پھر قدرے حیران ہو کر بولا:  
”اور ان بچوں کے نام کیا ہیں؟“

”رومیو نے محمود فاروق اور فرزانا کی جیبوں سے ان کے کارڈ نکال لیے اور نام پڑھے۔

”محمود احمد، فاروق احمد، فرزانا!“

”محمود، فاروق، فرزانا اور جمشید! افس میرے خدایا... کیا میں انسپکٹر جمشید کے سامنے کمزرا ہوں، یقیناً یہ وہی ہیں، اس قسم کا لاکھ نامہ ان کے اور ان کے بچوں کے سوا دکھا بھی کون سکتا ہے..... ٹائیگر، رومیو، یہ انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے ہیں، اب میں یقین سے کہہ سکتا ہوں۔ کرنل ماتھر نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

• اودھ! رویہ اور ٹائیگر کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔  
جہاز میں چند لمحوں تک موت کی خاموشی طاری رہی۔ آخر  
کرنل نے پھر کہا۔

• کیا میں غلط کر رہا ہوں انسپکٹر؟  
• تمنا خیال ٹھیک ہے! انسپکٹر جمشید مسکرائے۔  
• لیکن اس وقت شاید تم لوگ ہلکے قسم کے میک اپ میں ہو؟  
وہ بولا۔

• ہاں! ہم جب بھی سفر پر نکلتے ہیں، ہلکا سا میک اپ کر لیتے  
ہیں، تاکہ لوگوں کی تیز نظروں سے محفوظ رہیں، ورنہ لوگ ہمیں گھونٹنے  
لگتے ہیں، کیا تم مجھے بتاؤ گے، کیپٹن سوتان کیا چیز جہاز میں لے  
جا رہا ہے؟

• مجھے افسوس ہے، میں یہ راز نہیں بتا سکتا۔

• لیکن تم اس چیز کے بارے میں اپنے افسران کو کیا جواب دو  
گے؟ انسپکٹر جمشید نے اچانک سوال کیا۔  
• کیا مطلب؟ کرنل ماتھر بڑی طرح چونکا۔

• میں فرم کر لیتا ہوں کہ تم کیپٹن سوتان کو تلاش کر لینے میں  
کامیاب ہو جاؤ گے اور اس سے وہ چیز بھی حاصل کر لو گے۔  
پھر جہاز کو اپنے ملک لے جاؤ گے، وہاں میں یرغمال بنا یا جائے  
گا، آخر وہاں کے کچھ افسران ہم سے ملاقات کے لیے تو آئیں گے ہی

جب ہم انہیں بتائیں گے کہ کرنل ماتھر نے اپنے ملک سے مذہبی  
کی ہے، اس نے جہاز میں ایک مسافر سے کوئی اہم چیز حاصل کی  
اور پھر اسے کسی کے ہاتھ پہنچ دیا ہے، حکام کو اس بات کا علم  
ہو گا تو لازمی بات ہے، وہ کرنل ماتھر کو جلائیں گے اور اس  
سے جواب طلب کریں گے، کرنل ماتھر کو یہ سوچ لینا چاہیے کہ اس  
وقت ان کا کیا جواب ہو گا، کہیں ایسا نہ ہو، اس جہاز کو اغوا  
کرنے کے باوجود، وہ مجرم قرار دے دیے جائیں۔

انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے، کرنل ماتھر کی پیشانی پر پسینہ چمک اٹھا،  
شاید اس نے اس پتو پر بالکل غور نہیں کیا تھا، اور غور کرنا بھی یکے سے  
تو اسے اب معلوم ہوا تھا کہ جہاز پر انسپکٹر جمشید جیسے کافی مفرور ہے  
میں، جہت دیر تک اس کے منہ سے کوئی فقرہ نہ نکل سکا۔ آخر اس  
نے کہا۔

• یہ میرا اور میرے ملک کا معاملہ ہو گا، دیکھا جائے گا، تم اپنی  
تعمیر کرو۔

• اب میں اپنی کیا تعمیر کروں؟ ایک ہڈی جلی غصی کا۔ یہاں ہی رہی  
تھی، لیکن نرالی ہو چکے ہو گئی اور پانسہ پٹ گیا۔ پسے تو تم یہ نہیں  
جانتے تھے کہ ہم لوگ کون ہیں، اب جب کہ جان گئے ہو، ہم کہہ کر  
سکیں گے۔ انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں دیو سی تھی، محمود، فاروق، عزیز  
اور یگم جمشید نے انہیں ایران جو کر دیا۔ مسافروں میں شدید دیو سی کی



ہر دور گئی ۔

ان کے منہ سے یہ الفاظ سن کر کرنل ماسٹر رومیو کی طرف مڑا اور بولا :  
 رومیو ! اب جب کہ جہاز پھر ہمارے ملک کا رخ کر چکا ہے ،  
 تین اپنا کام دیں سے شروع کر دینا چاہیے جہاں سے شروع  
 کیا تھا :

میں سمجھا نہیں کرنل کہ رومیو نے کہا ۔

ان میں سے دو مسافروں کو کھڑا کر دو :

رومیو فوراً ہی سمجھ گیا کہ کرنل کیا چاہتا ہے ۔ اس نے آگے  
 بڑھ کر دو مسافروں کو کھڑا کر دیا ۔ یہ پہلے والے نہیں تھے ۔

کیپٹن سوتان ! میں ایک بار پھر تم سے مخاطب ہوں ۔۔۔۔۔

میں تمہیں اتنا غلام نہیں سمجھتا کہ تم ان مسافروں کو باری باری ختم  
 ہوتے دیکھ سکو گے ، میں ان دونوں مسافروں کو نشانہ بنانے کا

حکم دینے لگا ہوں ، اگر تم نے اٹھ کر یہ اعلان نہ کیا کہ تم ہی  
 کیپٹن سوتان ہو تو گولیاں ان کے ماتھے میں گھس جائیں گی ۔

بند سیکنڈ ۔ کہنے لگے بعد اس نے کہا :

رومیو ! اگر نہیں بکدلت تک کیپٹن سوتان نہ بولیں تو اکتیسویں سیکنڈ

پر ان دونوں کو اپنے ہسٹن سے گولی مار دینا ۔

او کے سر اس نے کہا اور گھڑوں پر نظریں جما دیں ۔

سر شخص اپنی گھڑی پر نظریں جما چکا تھا ، ہر ایک کا دل دھکن

دھکن کر رہا تھا ۔ دو مسافر جو کھڑے تھے اور جن کی موت کا حکم  
 سنایا گیا تھا ان کی حالت مدو تھی ۔ ان کی ٹانگیں اس طرح  
 کانپ رہی تھیں جیسے بید کی چھڑیاں ، ایسے میں انپکڑ بھید کی  
 آواز گونجی :

کرنل ! کیپٹن سوتان کو تلاش کرنے کا یہ طریقہ کچھ مناسب نہیں ،  
 میں تمہیں اس سے بہتر طریقہ بتا سکتا ہوں ۔

میں اس پر ضرور عمل کروں گا ، لیکن شرط یہ ہے کہ طریقہ کامیاب  
 ثابت ہو ۔

نام کام ہونے پر سب سے پہلے میں گولی کا نشانہ بننا منظور کرتا  
 ہوں ۔ انپکڑ بھید مسکرائے ۔

تو ٹھیک ہے ۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ۔ رومیو ٹھہر جاؤ ، پہلے میں  
 انپکڑ بھید کا طریقہ سن لو :

یہ کوئی لمبا چڑا ، طریقہ نہیں کرنل ۔ تم مجھے اجازت دو ۔ میں  
 ایک ایک مسافر کے پاس جاؤں گا ، اس کا چہرہ ٹٹوؤں گا اور

تمہیں بتا دوں گا کہ ان میں سے کیپٹن سوتان کون ہے ، اگر کیپٹن  
 سوتان ان لوگوں میں موجود ہے اور مک اپ میں ہے تو میں سو

فیصد یقین سے کہتا ہوں کہ اُسے ضرور تلاش کر دوں گا :

تمہاری بات دل کو لگتی ہے ۔ چلو شروع کرو ، تم دونوں بیٹھ  
 جاؤ ۔ کرنل نے پیسے ان سے اور پھر کھڑے ہوئے مسافروں سے کہا ۔

اب ایک نئی سنٹی گئی ہر مسافروں میں دوڑ گئی۔ ہر کوئی یہ سوچ رہا تھا کہ دیکھیں، ان میں سے کیسی سوتان کون ہے اور اس کے پاس وہ کیا چیز ہے، اور اس طرح ان میں سے اکثر کے ذہن سے کچھ لمحوں کے لیے یہ بات بھی نکل گئی کہ وہ دشمن ملک کے قیدی بننے والے ہیں۔

انپکڑ جیشد نے ایک ایک مسافر کے چہرے کو ٹٹون شروع کیا۔ ایک اب زدہ چہرے کو پہان بیٹے، انہیں ملکہ حاصل تھا، اسی لیے انہوں نے یہ تجویز پیش کی تھی، تاکہ بے گناہ مسافر مارے جائیں۔ یہ بات وہ جان چکے تھے کہ کیپٹن خود کو ظاہر نہیں کرتے گا۔ اگر اس کے دل میں رحم ہوتا تو سزور پہلی مرتبہ ہی اٹھ کھڑا ہوتا جب اس کا منہ وہ ڈاکٹر اٹھا تھا، اس سے رحم دل تو وہ ڈاکٹر تھا۔ وہ آگے بڑھتے رہے، اس وقت تک انہیں کسی چہرے پر ایک بے کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ وہ اس ڈاکٹر کے قریب سے بھی گزر گئے، اسے دیکھنے کی تو ضرورت ہی نہیں تھی، ایک ایک کر کے انہوں نے تمام مسافروں کے چہروں کو دیکھ ڈالا، آدھ گھنٹے بعد وہ واپس پلٹے اور بولے:

”کرمل ماتھر تمہارا خیال غلط ہے، ان مسافروں میں تو کوئی شخص ایک اپ میں ہے ہی نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کرمل ماتھر نے حیرت زدہ بچے میں کہا۔

”میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ جن مسافروں کو میں نے چیک کیا ہے، ان میں سے کسی نے میک اپ نہیں کر رکھا، یہ اور بات ہے کہ کیپٹن سوتان تمہارے ساتھیوں میں سے یا پائلٹوں میں سے کوئی ہو۔“

”میرے ساتھیوں میں سے کیپٹن سوتان کے ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، وہ گئے پائلٹ تو ذرا تم پائلٹ روم میں جا کر دیکھ آؤ۔ کرمل ماتھر نے کہا۔

”اچھی بات ہے، میں انہیں بھی چیک کیے لیتا ہوں۔“ ٹائیگر: انپکڑ جیشد اندر آ رہے ہیں، انہیں پائلٹوں کو چیک کرنے دو۔

”اوکے سر!“

انپکڑ جیشد پائلٹ روم میں داخل ہو گئے، ان کی واپسی میں دو منٹ لگے۔ ان کے چہروں پر ایک یاسانہ مسکراہٹ تھی۔ آتے ہی بولے:

”نہیں کرمل! دونوں پائلٹوں میں سے کسی کے چہرے پر میک اپ نہیں ہے۔“

”ہوں!“ اس نے کہا اور ایک نظر پائلٹ روم کے دروازے پر ڈالی، ٹائیگر دوسری طرف منہ کیے کھڑا نظر آیا۔ ادھر سے بے فکر ہو کر اس نے انپکڑ جیشد کے چہرے پر نظریں جما دیں:

تمام مسافروں کے چہرے چیک ہو چکے ہیں، لیکن دو آدمیوں



کے ابھی تک چیک نہیں کیے گئے۔  
 "کس کس کے ایئر بیٹیاں میں تو میں نے سبھی کو چیک کر لیا ہے۔ انپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"ڈاکٹر اور خود تم ابھی رہتے ہو، تم نے ڈاکٹر کا چہرہ شاید اس لیے چیک نہیں کیا کہ اس نے خود کو پہلے کیپٹن سوتان بتایا تھا اور بعد میں کہا کہ وہ کیپٹن سوتان نہیں ہے، اس سے پہلے وہ تمہارے ساتھ کچن میں بھی جا چکا ہے، اور خود تم نے بھی اپنے چہرے کا جائزہ لینے کا موقع نہیں دیا، کیونکہ تم تو خود چیک کر رہے تھے، کیا خبر تم انپکٹر جمشید نہ ہو، دراصل کیپٹن سوتان جو کرنل ماتھر کتا چلا گیا۔

"بہت خوب! پھر اب تم کیا چاہتے ہو۔ انپکٹر جمشید مگر اے۔ پہلے تو اس ڈاکٹر کے چہرے کو غور سے دیکھو، اس کے بعد میں تمہارے چہرے کا جائزہ لے لوں گا۔

"بہت بہتر! انپکٹر جمشید نے کہا اور ڈاکٹر کی طرف بڑھنے لگے۔ اس کے قریب پہنچ کر انہوں نے چہرے کا بغور جائزہ لیا اور اس سے بولے:

"آپ کا نام کیا ہے ڈاکٹر؟  
 "مجھے ڈاکٹر ارماس کہتے ہیں۔  
 "ارماس! ہوں، میری وجہ سے آپ کو بہت زحمت ہوئی۔

"کوئی بات نہیں، اس میں آپ کا کیا قصور؟ وہ اداس انداز میں مسکرایا۔ انپکٹر جمشید کرنل کی طرف مڑے اور بولے:  
 "یہ بھی کیپٹن سوتان نہیں ہیں، اب تم میرے چہرے کو دیکھ لو، میں کہہ چکا ہوں کہ ہکے قسم کے میک اپ میں ہوں، اگر تم کو تو میں اپنا میک اپ اتار دوں، .... میری اصل شکل سے تو تم واقف ہی ہو۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہ گا۔  
 انپکٹر جمشید نے اپنا ہکا پہلکا میک اپ اتار دیا اور اب وہ صاف انپکٹر جمشید نظر آنے لگے، یہ دیکھ کر کرنل ماتھر نے کہا:  
 "یہ ٹھیک ہے، تم انپکٹر جمشید ہی ہو، لیکن پھر کیپٹن سوتان کہاں گیا، میری اطلاعات غلط نہیں ہو سکتیں۔  
 "ہو سکتا ہے، وہ جہاز پر سوار نہ ہو سکا ہو۔  
 "میرے آدمی نے آخری اطلاع یہی دی تھی کہ کیپٹن سوتان جہاز پر سوار ہو چکا ہے۔ کرنل بولا۔

"کیا اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کس قسم کے میک اپ میں ہے؟  
 "نہیں! اس نے ایسی کوئی بات نہیں بتائی تھی، نہ میں نے پوچھا، میرا خیال تھا کہ ہم فوراً اسے تلاش کر لیں گے۔ کرنل ماتھر نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا پھر چونک کر بولا۔

”خیر! بہت جلد ہم اپنے ملک کے صدر مقام کے ایئر پورٹ پر اتر جائیں، اب یہ چیکنگ دیں ہوگی، اپنی ذات کے لیے نہ سہی، اپنے ملک کے لیے ہی سہی، میں اپنے ملک کے افسروں کو بتا دوں گا کہ ان مسافروں میں سے ایک کیپٹن سوتان ہے، اس کے پاس ایک بہت قیمتی چیز ہے، اس چیز کو جہاز میں بھی تلاش کیا جائے گا۔ امید ہے ہم اسے تلاش کر لیں گے۔“ اس کا مطلب ہے، ایک حد تک تمہیں کیپٹن سوتان نے شکست دے دی ہے۔

”نہیں! میں آخر دم تک شکست ماننے والا نہیں ہوں، ابھی تقریباً آدھ گھنٹہ باقی ہے، میں اس آدھ گھنٹے میں ایک آخری کوشش اور کروں گا، شاید تم نے مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی ہے۔ رومیو، تم میری شین گن سنبھالو، اپنا لپتول جیب میں رکھ لو، میں خود سب کے چہروں کو دیکھوں گا، دولت حاصل کرنے کا آخری موقع گنونا نہیں چاہتا۔“

”اوکے سر! رومیو نے کہا اور راستے سے باہر نکل کر شین گن سنبھال لی۔ کرنل مائیکر نے جلدی جلدی چہروں کو ٹھون شروع کیا، یہاں تک کہ وہ ڈاکٹر تک پہنچ گیا، وہ اس کے چہرے پر جھکا اور بغور جائزہ لیتا رہا۔ آخر اس نے سیدھے ہوئے کہا:

”آخر میں نے کیپٹن سوتان کو تلاش کر ہی لیا؟“

وہ سب چونک اٹھے، لیکن انپکٹر جمشید کے چہرے پر حیرت کے کوئی آثار دکھائی نہ دیے تو محمود، خادق اور فرزانا کی حیرت اور بڑھ گئی، محمود سے رہا نہ گیا، پوچھ ہی بیٹھا:

”ابا جان! کیا آپ پہلے ہی جان چکے تھے کہ کیپٹن سوتان یہی ہیں۔“

”ہاں! ابھی کچھ دیر پہلے ہی مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے۔ انہوں نے مسکرا کر کہا۔“



تم ان لوگوں کے ساتھ ڈاکٹر بن کر گئے تھے، ورنہ ڈاکٹر ہی سے تو تمہیں دور کا بھی واسطہ نہیں۔

”جلو ہی سہی! میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں ڈاکٹر نہیں، کیپٹن سوتان ہوں، جیت کا پتا اب تمہارے ہاتھ میں ہے۔ یوں بھی تم اپنے ملک کے صدر مقام تک پہنچنے والے ہو اور اس حساب سے میرا ملک بہت دور رہ گیا ہے، میں ہار گیا ہوں کرنل! میں ہار گیا ہوں، مجھے کیا معلوم تھا کہ اس جہاز پر یہ واقعات پیش آئیں گے، اگر ذرا بھی بھٹک پڑ جاتی تو میں ہرگز اس جہاز پر سوار نہ ہوتا۔“

”یہاں تم غلطی پر ہو، مجھے میری حکومت نے ان کے ملک کا ایک مسافر بردار جہاز اغوا کرنے کا حکم دیا تھا، انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ خاص طور پر کونسا جہاز اغوا کرنا ہے، تمہارے بارے میں مجھے بہت دنوں سے اطلاعات مل رہی تھیں، چنانچہ میں نے ایک تیر سے دو شکار کرنے کا منصوبہ بنا لیا، اب بتاؤ، وہ چیز کہاں ہے؟“

”کیپٹن! کیپٹن سوتان نے جواب دیا۔“

”کیپٹن میں: یہ تو میں بھی جانتا ہوں، یہ بتاؤ کیپٹن میں کہاں ہے؟“

”اگر جانتے تھے تو پھر تم نے اسپیکٹر جیشد کے بچوں کو

## نوٹ بک

”ہاں تو کیپٹن سوتان تم اپنی سیٹ سے اٹھ کر آگے آ جاؤ، روپیو، تم اپنے پستول کی نالی اس کی کیپٹی پر رکھ دو، اب ہمارے پاس وقت بالکل نہیں ہے، فوراً انہوں نے بتا دیا تو ٹھیک درجہ انہیں زندہ رکھنے کی بھی ضرورت نہیں۔“

”ایک منٹ جناب! ہم یہ دل دور منظر نہیں دیکھ سکیں گے، اگر آپ ہمیں اجازت دیں تو ہم ذرا کیپٹن تک ہو آئیں، بہت بھوک لگی ہے۔“

کرنل ماتر نے ان کی طرف دیکھا، چند لمحوں کے لیے کچھ سوچا اور پھر بولا:

”ٹھیک ہے، میں بھی نہیں چاہتا کہ تم یہ خوفناک منظر دیکھو۔“

تینوں اچھے اور درمیانی راستے سے ہو کر کیپٹن کی طرف چلے گئے۔

روپیو نے جیب سے پستول نکالا اور کیپٹن سوتان کی کیپٹی پر رکھ دیا۔

”ہاں کیپٹن! میں صرف اس چیز کا پتا جانتا چاہتا ہوں، میں جانتا ہوں، تم نے وہ کیپٹن میں کہیں چھپا دی ہے اور اس لیے

وہاں کیوں جانے دیا؟ کیپٹن سوتان نے پوچھا۔  
 "انہوں نے بھی اندر جانے کی اجازت اسی نظریے سے  
 لی تھی، لہذا وہ جب اس چیز کو تلاش کر کے یہاں آئیں گے  
 تو ہم ان سے حاصل کر لیں گے۔ کرنل ماتھر ہنسنا۔  
 "بہت خوب! اور اگر وہ بھی اسے تلاش نہ کر سکے تو؟  
 "تو تم بتا دو۔"

"مجھے افسوس ہے، وہ چیز میں نے اپنے ملک کے لیے حاصل  
 کی تھی، میں اسے تمہارے حوالے نہیں کر سکتا، مرتے دم تک  
 میں یہ کام نہیں کروں گا۔"

"ٹھیک ہے، تمہاری مرضی، اگر تم مرنا ہی چاہتے ہو تو میں  
 کیا کر سکتا ہوں؟ ردیو اسے اگلے جہاں بھی دو۔"

ردیو کا ہاتھ ٹریگر پر دباؤ ڈالنے لگا۔ اس وقت کیپٹن سوتان  
 کی پسینوں آواز سنائی دی:

"جہاز کے مسافر! میں اپنے وطن کے لیے جان دے رہا  
 ہوں، اگر کبھی میرا کوئی ہم وطن تمہیں ملے تو اس سے یہ  
 ضرور کہہ دینا۔۔۔۔۔"

"کرنل! میں سمجھتا ہوں، اس کی ضرورت نہیں۔ اچانک انسپکٹر  
 شید درمیان میں بول اٹھا۔  
 "کس کی؟ کرنل نے چونک کر پوچھا۔"

"کیپٹن کو ہاک کرنے کی، اس سے تمہیں کچھ بھی حاصل نہیں  
 ہوگا، ویسے بھی یہ ہمارا مجرم ہے، اگر اس نے ہمارے  
 ملک کی کوئی چیز چرائی ہے تو اسے سزا دینے کا حق بھی  
 ہمیں پہنچتا ہے۔"

"لیکن تم تو اب میرے ملک کے قیدی بننے والے ہو،  
 تم اسے سزا کس طرح دے سکو گے، تمہاری طرف سے یہ  
 سزا اسے میں دے رہا ہوں، کیا یہ بہتر نہیں؟"

"میں اسے بہتر نہیں سمجھتا، ابھی تم اس جہاز کو اپنے  
 ایر پورٹ پر نہیں اتار سکے، اگر اتارنے میں کامیاب ہو  
 جاتے ہو تو پھر میں کچھ نہیں کہوں گا۔"

"ہوں! اس وقت ٹین گن میرے ہاتھ میں ہے، میں  
 جو چاہوں کر سکتا ہوں۔"

"میں پھر بھی اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ انسپکٹر جمشید نے  
 کندھے اچکائے۔"

"اُس وقت کرنل ماتھر نے ردیو کو اشارہ کر دیا اور جہاز میں  
 ایک بار پھر گولی کا دھماکا گونج اٹھا۔ کیپٹن سوتان دھڑلے سے  
 گرا اور تڑپنے لگا۔ کئی مسافروں کی چیخیں نکل گئیں۔"

"ردیو! اب تم فوراً کچن کے دروازے پر جاؤ اور اس کے  
 سوراخ پر آنکھ باندھو، تاکہ معلوم ہو، انسپکٹر جمشید کے سپوت



کی کر رہے ہیں۔

”اوکے سر، اس نے کہا اور دبے پاؤں اندر کی طرف قدم اٹھانے لگا۔ اس وقت کرنل ماتھر نے بند آواز میں کہا۔

”میرے دوستو! میری گھڑی بتا رہی ہے کہ اب تم بہت جلد میرے وطن کی سرزمین پر اترنے والے ہو، میرے ملک کی عظمت کو سلام کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ جس نے مجھے جیسے آدمی پیدا کیے ہیں جو تمہارے ملک سے ایک جہاز مسافروں سمیت یہاں تک لے آئے ہیں۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے پائلٹ روم کے دروازے کی طرف دیکھا اور پھر بری طرح چونکا۔



تینوں کپن میں داخل ہوئے۔ فاروق اور فرزانہ کے منہ بنے ہوئے تھے۔ جو بھی محمود نے کچن کا دروازہ اندر سے بند کیا، فاروق نے جھٹکا کر کہا۔

”لو کھا لو جو کھانا ہے، بہت مہربان لگ رہی تھی نا تمہیں۔“  
 ”ہاں لگ رہی تھی۔“ محمود نے بھی اس کے انداز میں کہا۔  
 ”تو کھاؤ، روکا کس نے ہے؟“ فرزانہ نے بھی کاٹ کھانے کے انداز میں کہا۔

”میرا خیال ہے، تم دونوں کو مجھ پر بہت غصہ آ رہا ہے، حالانکہ غصہ کرنے والی کوئی بات نہیں۔“

”بات کیوں نہیں! ہم وہاں رہ کر ضرور کچھ کر سکتے تھے۔“  
 ”یاں آ کر ہم نے وقت ہی ضائع کیا ہے۔“ فاروق نے کہا۔  
 ”خیال اپنا اپنا.... سنو، میرا خیال ہے، کیپٹن سوتان نے وہ چیز ضرور کچن میں کہیں چھپا دی ہے، اب یہ بات تو ثابت ہو چکی ہے کہ وہ ڈاکٹر نہیں، کیپٹن سوتان تھا جو ہمارے ساتھ یہاں آیا تھا، اس سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ صرف اس لیے ہمارے ساتھ آیا تھا کہ وہ چیز یہاں چھپا دے۔“  
 ”لیکن کیپٹن سوتان سمیت سب کی تلاش لی گئی تھی، پھر وہ کس طرح اس چیز کو چھپا کر یہاں لانے میں کامیاب ہو سکا؟“ فرزانہ نے اعتراض کیا۔

”یہ تو وہی بتا سکے گا۔“ محمود بولا۔  
 ”بشرطیکہ وہ ہمارے واپس جانے تک زندہ رہا، کرنل ماتھر اس کی جان کے درپے ہے۔“

”خیر چھوڑو، ہم جس کام کے لیے یہاں آئے ہیں، جلد از جلد اسے کر ڈالنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ جہاز دشمن ملک کے ایئر پورٹ پر اتر جائے اور ہم ٹانک ٹوپیاں مار سکتے رہ جائیں۔“  
 ”ٹانک ٹوپیاں مارنا ہماری پرانی عادت ہے، اب بھی مار لیں۔“

گے تو کیا فرق پڑ جائے گا : فاروق مسکرایا۔  
تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ دشمن ملک میں نہ جائے ہمارے ساتھ  
کیسا سلوک کیا جائے : محمود بولا۔

ہاں : خاص طور پر ہم لوگوں کے ساتھ ، ہم نے تو انہیں نہ  
جائے گتنا نقصان پہنچایا ہو گا ، وہ گن گن کر بے لیں گے :  
" خدا ہماری مدد کرے گا ، ہم نے جو کچھ کیا ، اپنے ملک  
کے لیے کیا ہے ، اپنی ذات کے لیے نہیں کیا ہے "

ہوں : یہ بھی ٹھیک ہے ، پھر بھی میں نے ان مظالم کے  
بارے میں سن رکھا ہے جو دشمن ملک ان کے خلاف کام کرنے  
والے جاسوسوں پر توڑتے ہیں اور اس وقت ہماری حیثیت بھی  
ایسی ہے : محمود نے کہا۔

" دیکھو بھائی ، میں ڈرانے کی کوشش نہ کرو ، ہمارے دل پہلے  
بھی بہت کمزور ہیں : فاروق نے کہا : اور دوسرے تمام مسافروں  
کے دل بھی کچھ خاص طاقت ور نہیں ہیں ، میں تو ان بیچاروں  
کے بارے میں سوچ رہا ہوں ، وہ سب غریب تو ناعاقی سے  
پھنسی گئے : "

" اللہ ان کی بھی مدد فرمائے :  
آمین : آج تم پر دعائیں مانگنے کا مجھوت تو سوار نہیں ہو گیا :  
فاروق بولا۔

" دیکھو بھائی ! اپنی حالات میں مذاق نہ ہی کرو تو بہتر ہے ، بس  
ذرا اپنی تلاش کی رفتار تیز کرو : "

" اچھا : فاروق نے سعادت مندانہ لہجے میں کہا۔  
تینوں تیزی سے ادھر ادھر دیکھنے لگے ۔ ایک ایک چیز کا جائزہ  
لینے لگے :

" کیپٹن سونان جیب ہمارے ساتھ یہاں آیا تو میں اس وقت  
جھوٹ سٹاپ کا بے ہوش تھا ، آنکھیں بند تھیں اور آتا جان اس  
وقت مس رونا کی طرف متوجہ تھے ، اتنی جان کو ان باتوں کا اتنا  
تجربہ نہیں ، اس لیے اس نے موقع پا کر وہ چیز چھپا دی ۔  
مصیبت یہ ہے کہ ہمیں اس چیز کے بارے میں کچھ بھی معلوم  
نہیں کہ وہ کیا ہے ، کیسی ہے ، کیسی حیثیت کی ہے اگر یہ معلوم  
ہوتا تو تلاش آسان ہو جاتی ، اب یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ  
ہم اسے دیکھ رہے ہوں اور سوچ بھی نہ سکتے ہوں کہ یہی  
وہ چیز ہے : محمود فلسفیانہ انداز میں کہتا چلا گیا۔

" تو پھر تلاش کرنے سے بہتر یہ ہو گا کہ پہلے ہم یہ سوچ  
لیں کہ وہ کیا چیز ہو سکتی ہے : فرزانہ نے مشورہ دیا۔

جہاں تک میرا خیال ہے ، یا تو وہ کوئی مائیکروفلم ہے ، یا دستاویز  
ہے یا پھر کوئی ایجاد :..... کسی سائنس دان کی ایجاد : فاروق  
نے کہا۔



## تم ہمارے ہو

ہائیگر! تمہیں کیا ہو گیا ہے، اتنی دیر سے تم پائلٹوں کی طرف منہ کیے کھڑے ہو، پہلے تو کمر تم نے دروازہ کی چوکھٹ سے لگا لگا رکھی تھی اور دونوں طرف دیکھ رہے تھے، پھر اب کیا بات ہے نہ کرنل ماتھر نے حیرت زدہ لمحے میں کہا۔  
ہائیگر کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ اب تو کرنل ماتھر بوکھلا گیا۔  
اس نے چیخ کر کہا:

ہائیگر! کیا بات ہے، تم بولتے کیوں نہیں؟  
اس بار بھی جواب نہ ملنے پر تو اس کا حال بُرا ہو گیا، وہ تمام احتیاطوں کو بھول کر پائلٹ دوم کے دروازے کی طرف جھپٹا۔  
انسپیکٹر جمشید بھلا اس موقع کو کس طرح ضائع کر دیتے، جب کہ ان کے پیچھے رومیو بھی موجود نہیں تھا۔ انہوں نے پھتے کی تیزی سے چھانگ لگائی اور کرنل ماتھر پر جا پڑے۔ کرنل ماتھر کا منہ اس وقت پائلٹ دوم کی طرف تھا، لہذا وہ منہ کے بل زمین پر آیا۔ دوسرے ہی لمحے انسپیکٹر جمشید نے اپنا دایاں ہاتھ شین گن پر جا دیا۔ یہ دیکھ

ہائل ٹھیک خیال ہے، وہ کوئی ایسی ہی چیز ہو سکتی ہے۔  
تینوں ایک بار پھر سرگرمی سے تلاش میں مصروف ہو گئے۔  
اچانک فرزانہ کی نظر خشک خوراک کے ایک ڈبے پر پڑی۔  
برڈیا دوسرے ڈبوں کی قطار سے کچھ آگے نکل آیا تھا۔ فرزانہ نے جلدی سے ڈبہ نکالا، پاس ہی پڑے ایک کٹر سے اس کا ڈھکنا نکلا، اس نے دیکھا، میل ٹوٹی ہوئی تھی اور ڈبہ پہلے ہی کھولا جا چکا تھا، ڈھکنا بیٹھے ہی اسے ڈبے کے اندر ایک چیز نظر آئی، البتہ ڈبے میں کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی۔  
محمود اور فاروق بھی ڈبے پر جھک گئے، اس میں ایک چھوٹی سی نوٹ بک رکھی تھی۔ ابھی انہوں نے نوٹ بک کو ڈبے میں سے نکالا ہی تھے کہ باورچی خانے کے دروازے پر دنگس ہوئی تینوں زور سے چونکے۔ محمود نے فوراً نوٹ بک اسی ڈبے میں رکھی، اس کا ڈھکنا بند کیا اور اسے ڈبوں کی قطار میں لٹک دیا۔  
پھر فاروق کو دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا۔ دروازہ کھلتے ہی ان کی نظر رومیو پر پڑی۔  
وہ پستول ہاتھ میں لیے اندر آ رہا تھا۔

کر بیگم جمشید نے بھی بھوک پھرتی دکھائی، اٹھیں اور ان کی طرف ٹیکس اور پھر انہوں نے عین گن کرنل ماتھر کے ہاتھ سے جبین لی۔  
"شکریہ بیگم! یہ کام کیا ہے تم نے۔ انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے۔

اسی وقت کرنل نے زور لگایا اور انسپکٹر جمشید کے اوپر آ رہا۔ یہ دیکھ کر بیگم جمشید ہلکلا اٹھیں۔

"کیا میں اس کے سر پر شبن گن دے ماروں؟"

"نہیں بیگم! کہیں تم زور سے نہ مار دو اور یہ جان نہ دے دے۔ انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا اور پھر ان کے دونوں پیر کرنل کے سر کی طرف تیزی سے آتے نظر آئے۔ دوسرے ہی لمحے دونوں پیروں نے اس کے سر کو جکڑ لیا۔ جہاز کے مسافروں نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ کرنل دونوں پیروں کے ساتھ اس طرح اوپر اٹھتا چلا گیا تھا جیسے کہیں کسی چیز کو اٹھا لیتی ہے اور پھر انہوں نے ٹانگوں کو جو جھٹکا دیا تو کرنل جہاز کی دیوار سے جا ٹکرایا، ابھی اٹھ کر سنبھلا نہ تھا کہ انسپکٹر جمشید نے ٹیلن گن اپنے ہاتھ میں لے لی۔

"بس بیگم، تمہارا کام ختم ہوا، تم اپنی سیٹ پر بیٹھ کر تناشا دیکھو۔ انہوں نے بیگم سے کہا اور وہ مسکراتی ہوئی سیٹ کی طرف چلی گئیں۔  
"اب تم اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

"ٹائیگر! تمہیں کیا ہو گیا ہے، کیا تم سو گئے ہو؟ کرنل دھاڑا۔  
"اب تم نے ٹھیک اندازہ لگایا، ٹائیگر دافنی سو گیا ہے، لیکن جمشید کی فینڈ، اب وہ کبھی نہیں جاگ سکے گا، مجھے اندر بھیجنا تھا کہ سب سے بڑی غلطی تھی، ایک آدمی پر قابو پانا مجھ میرے لیے کیا مشکل تھا، میں نے ٹائیگر پر قابو پایا اور اس کا گلہ گھونٹ دیا، پھر اسٹنٹ پائلٹ کو یہ ہدایت دی کہ وہ ٹائیگر کی کمر دروازے کی طرف کر کے کھڑا رکھے، تاکہ تم بھی سمجھتے رہو کہ ٹائیگر چوکس کھڑا ہے، ادھر میں نے پائلٹ کو یہ ہدایت دی کہ غیر موسیٰ طور پر جہاز کا رخ اپنے ملک کی طرف کرتا چلا جائے، چنانچہ اس وقت ہم سیدھے اپنے ملک کی طرف جا رہے ہوں گے، بلکہ شاید داخل بھی ہو چکے ہوں اور آدھ گھنٹے تک اس ایئر پورٹ پر اتر سکیں گے جس سے اڑے تھے۔ تمہارا سارا منصوبہ چو پٹ ہو گیا کرنل، اب اپنا سر جہاز کی دیوار پر دے مارو۔"

"لیکن خباب.... ابھی اس کا ساتھی رومیو باقی ہے، ایک مسافر نے گویا یاد کرایا۔

"ہاں! مجھے یاد ہے، میں ابھی اس کا بندوبست کیے دیتا ہوں، جو کرنل پائلٹ روم کے دروازے کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جائے، تم نے کوئی حرکت کی نہیں اور گولیوں سے تمہارا جسم چھلنی ہوا نہیں۔ کرنل نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ انسپکٹر جمشید نے نالی اس کی کمر



”کرنا کرنا کیا تھا، بس کچھ کھانے پینے آئے ہیں۔“

”تو کھاپی چکے؟ اس نے پوچھا۔“

”ابھی کہاں، ابھی تو ہم کھانے کی چیز تلاش کر رہے تھے۔“

”اور اس ڈبے میں بھی تمہیں کھانے کی کوئی چیز نہیں ملی؟“

رومیو نے طنز یہ مجھے میں کہا۔

”کون سے ڈبے میں؟“ رومیو نے آگے بڑھ کر پستول کی نالی

اس ڈبے سے چھو کر کہا جس میں انہیں نوٹ بک نظر آئی تھی۔

”اس ڈبے میں بھی کھانے کی کوئی چیز نہیں ہے۔“ فرزانہ نے

مایوسانہ ہنسنے میں کہا۔

”ذرا دیکھیں تو سہی، اس میں کچھ ہے کہ نہیں؟ یہ کہتے ہوئے

رومیو نے ذبا بائیں ہاتھ میں اٹھا لیا، پھر اُسے کڑا سے کھول

کر اندر جھانکا۔

”بہت خوب! جس چیز کی ہمیں تلاش تھی وہ یہاں ہے۔“

بھئی واہ! وہ خوش ہو کر بولا۔

”ارے رومیو صاحب! آپ کو اس ڈائری کی ضرورت تھی،

آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا، آپ پہلے بتا دیتے تو ہم یہ

ڈائری کب کی آپ کے حوالے کر دیتے۔“

”بہت بہت شکریہ! صواب چلیں۔“ اس نے ڈائری جیب

میں رکھتے ہوئے کہا۔

سے لگا کر دوسرے ہاتھ سے اس کی پتلون کی جیبوں کی تلاشی لی

اور ایک پستول نکال کر جیب میں ڈال لیا۔ پھر وہ درمیانی راستے

سے چلتے ہوئے اندرونی دروازہ کے پاس دیوار سے لگ کر کھڑے

ہو گئے اور رومیو کا انتظار کرنے لگے، رومیو جو محمود، فاروق

اور فرزانہ کی نگرانی کرنے گیا تھا۔ سب کی نظریں اس طرف

جم گئیں جس طرف سے رومیو کو آنا تھا۔ یہ دیکھ کر انسپکٹر

جیشد پریشان ہو گئے۔ انہوں نے کہا!

اس طرح تو اسے تبدیلی کا احساس ہو جائے گا، آپ

لوگ سیدھے بیٹھیں اور نظریں کنٹرل کی کمر پر جا دیں۔ اس جگہ

سے کنٹرل کے ہاتھ نظر نہیں آ رہے ہیں لہذا رومیو ہی سمجھے گا کہ

وہ سٹین گن لیے کھڑا ہے۔

سب نے ان کی ہدایت پر عمل کیا، انسپکٹر جیشد نے سٹین

گن کو لاسٹی کی طرح پکڑ لیا اور بالکل تیار کھڑے ہو گئے۔



”اچھے رومیو صاحب! آپ کس طرح تشریف لائے، ہم تو

خود ہی واپس آنے والے تھے۔“ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

”میں یہ دیکھنے چلا آیا تھا کہ تم یہاں کیا کرنے آئے ہو۔ اس

نے منہ بنا کر کہا۔

” ہم تو اسے نوٹ بک سمجھتے تھے ۔  
 ” نوٹ بک سمجھو یا فاری ، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ۔  
 ” لیکن خباب ! اس میں ہے کیا ؟  
 ” چتا نہیں کیا ہے ، یہ تو کرنل کو ہی معلوم ہو گا ۔  
 ” خیر ! چلو کرنل صاحب سے معلوم کر لیں گے ۔ محمود نے کہا ۔  
 ” ہاں ! آؤ میرے ساتھ ۔ اس نے کہا اور دروازے کی طرف  
 مروا گیا ۔ محمود نے آؤ دیکھا نہ تاؤ سر کو اس کی کمر کی سیدھ میں  
 رکھ کر دوڑ لگا دی ، لیکن ردیو اس سے پھرتیلا ثابت ہوا ،  
 اس سے پہلے کہ وہ اس کی کمر سے ٹکراتا ، وہ پلٹ پڑا ، نہ  
 صرف پلٹ پڑا ، بلکہ ترجبا بھی ہو گیا اور محمود اپنی ہی جھونک  
 میں دروازے کی طرف چلا ، تاہم وہ بھی وقت پر سنبھل گیا اور  
 اس نے ہاتھ آگے کر دیے ، ورنہ اس کا سر دروازے سے  
 منور ٹکراتا ۔

محمود کا وار خالی جاتے دیکھ کر فاروق اور فرزانہ دونوں دم بخود  
 رہ گئے ، کیونکہ اب پستول کی نالی ان کے سامنے تھی ۔  
 ” یہ کیا حرکت تھی ؟ ردیو نے مڑ کر محمود کو گھورا ۔  
 ” میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ کتنے طاقت ور ہیں ۔ محمود  
 نے بوکھلا کر کہا ۔  
 ” پھر دیکھ لیا ؟

” صرف یہ دیکھ سکا ہوں کہ آپ کتنے پھرتیلے ہیں ، لیکن طاقت  
 کا اندازہ ابھی نہیں لگ سکا ، لگ بھی کیسے سکتا ہے ، آپ کے  
 ہاتھ میں پستول ہے ، آپ ہم سے بڑے بھی ہیں ، کیا پدی کیا  
 پدی کا شڈیا والی بات ہے ؟  
 ” ادھر تو یہ بات ہے ، تم لوگ مجھ سے مقابلہ کرنے پر تلے  
 ہو ، خیر آؤ ، تم بھی کیا یاد کرو گے ؟ یہ کہہ کر اس نے پستول  
 جیب میں رکھ لیا ۔

فاروق نے اس کے طرف قدم بڑھایا :  
 ” میرا خیال ہے ، میں اکیلا ہی ان سے مقابلہ کیسے یتا ہوں ،  
 اگر میں شکست کھا گیا تو تم آگے آ جانا ۔ فاروق نے محمود اور  
 فرزانہ سے کہا ۔  
 ” ٹھیک ہے ، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ، لیکن اگر تم مار کھانے  
 لگے تو ہم سے دیکھا نہیں جاسکے گا ۔ فرزانہ نے مذاق اڑانے  
 والے لہجے میں کہا ۔

” اس صورت میں تم آنکھیں بند کر لینا ۔  
 ” یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم مقابلہ نہ دیکھیں ؟  
 ” اچھا بھائی ! تو پھر یوں کرنا کہ ایک آنکھ بند کر لینا ، تاکہ تم  
 مجھے مار کھاتے نہ دیکھ سکو اور دوسری آنکھ کھول لینا تاکہ لڑائی  
 سے محروم نہ رہو ۔



”بھئی داہ! کتنی شاندار ترکیب بتائی ہے، گویا فرزانہ کے کان  
کتر ڈالے ہیں۔ محمود ہنسنا۔

”ہیں۔ ہیں تو۔ فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

”اچھا اب بنو نہیں، مقابلہ کرو، رومیو تمہارے دار کا  
انتظار کر رہا ہے۔“

”اوہ! تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔ اس نے چونک کر  
کہا اور پھر رومیو کے بالکل سامنے جا کھڑا ہوا۔

رومیو چند لمے تک اسے مذاق اڑانے والے انداز میں دیکھتا  
رہا پھر اس کی طرف ایک ایک قدم بڑھنے لگا۔ اچانک اس نے  
دوہیل ہاتھ کا مکتا فاروق کے جبرے پر مارا، فاروق بجلی کی  
سرعت سے نیچے جھک گیا اور سر کی ٹکڑی اس کے پیٹ میں  
سکید کی، رومیو تھلا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

”دیری گڈ فاروق! کمال کی بھرتی تھی۔“

”شکریہ! اتنی بھی تعریف نہ کر بیٹھنا کہ میں بھول کر کپتا  
ہو جاؤں۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ اس کے ان الفاظ کے  
ساتھ ہی رومیو نے اس پر تباہ توڑ حملہ کر دیا۔ فاروق بوکھلا  
کر پیچھے ہٹا اور پھر جھکائی جو دی تو رومیو دیوار سے ٹکرایا۔

اس پھر کیا تھا، فاروق نے اسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا، انہوں  
نے لاتوں پر رکھ لیا۔ لیکن وہ بھی شاید فولاد کا بنا ہوا تھا، فاروق

کے کھوں اور لاتوں سے اس کا کچھ بھی نہ بگڑا۔

”بھئی محمود، یہ تو مکا پردف لگتا ہے۔ فرزانہ نے پریشان  
ہو کر کہا۔

”فاروق، ایسی جگہوں پر کے مارنے سے کام نہیں چلے گا، ناک  
کو نشانہ بناؤ۔“ محمود نے اسے مشورہ دیا۔ رومیو یہ سن کر غرایا اور  
ایک زوردار مکتا فاروق کی کنپٹی پر رسید کیا، لیکن فاروق ایک  
پیر پر گھوم گیا اور جب چکر کاٹ کر دوبارہ اس کے سامنے  
ہوا تو اس کا لڑتا ہوا مکتا رومیو کی ناک پر لگا، دوسرے  
ہی لمے وہ چکرایا اور فرکش پر گرا۔

”میرا خیال ہے، ہمیں جلد از جلد اسے باندھ لینا چاہیے، ادھر  
نہ جانے کیا حالات ہوں۔ فرزانہ نے کہا۔

رومیو کو باندھنے، فوٹ بک اور ہیٹول پر قبضہ کرنے کے  
بعد انہوں نے کچن کا دروازہ باہر سے بند کیا۔ پھر دروازے  
کی طرف بڑھے، جرمی انہوں نے دروازہ کھولا، چونک اٹھے۔  
محمود نے دونوں ہاتھ اٹھا کر فاروق اور فرزانہ کو آگے بڑھنے  
سے روک دیا۔

”ابا جان! کیا آپ دیوار کے پیچھے ہیں۔“

”ہاں! شاید تم رومیو پر قابو پا چکے ہو۔“ بیکرم بشید خوش ہو  
کر سامنے آگئے۔

”جی ہاں! آپ نے ٹھیک سمجھا، اس کا مطلب ہے، یہاں بھی حالات ہمارے مطابق ہیں۔“  
 ”ابھی ایک کاٹنا رہتا ہے۔ تم سلتے، اگرچہ کس کھڑے ہو جاؤ، میں ذرا کرنل ماتھر سے دو دو باتیں کر لوں۔“  
 یہ کہہ کر وہ درمیانی راستے سے ہوتے ہوئے آگے آگے اور کرنل سے بولے:  
 ”کیا تم مجھے بتاؤ گے کرنل! تم ریوں سے کس طرح آزاد ہو گئے تھے؟“

کرنل نے کوئی جواب نہ دیا، منہ پھلائے کھڑا رہا:  
 ”دیکھو کرنل! خاموشی تمہارے حق میں بہتر ثابت نہیں ہو سکے گی، پانچ ایک بار پھر ٹیٹ چکا ہے اور اب تمہاری کوئی پیش نہیں جائے گی۔ کیپٹی سوتان سے تم جو نوٹ بک حاصل کرنا چاہتے تھے، وہ بھی اب ہمارے قبضے میں ہے اور ہم فوراً یہ معلوم کر میں گئے کہ اس میں کیا ہے۔ جہاز اب ہمارے ایر پورٹ پر پہنچنے والا ہے، زیادہ سے زیادہ بیس منٹ کا سفر باقی ہو گا، ان حالات میں تم کیا کر سکتے ہو، تم اپنی شکست تسلیم کر لو۔“

”کرنل ماتھر نے کبھی اپنی ہار نہیں مانی۔ اس نے پر غرور لیچے میں کہا۔“

”بہت بہتر! کیا جہاز میں تمہارا کوئی اور ساتھی بھی موجود ہے؟“ انکپٹر جمیڈ نے سوال پوچھا۔  
 ”نہیں! اسی نے کہا۔“

”اس جہاز کے مسافروں کو قیدی بنا کر تمہارا ملک کیا مطالبہ منظور کرنا چاہتا تھا؟“  
 ”میں تمہارے، اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔“ وہ بولا۔

”خیر! میں تمہیں بتا دیتا ہوں، پچھلے دنوں تمہارے ملک کے تیس جاسوس ہمارے ملک میں ایک سازش کرتے ہوئے پکڑے گئے ہیں۔ ان کے بارے میں رپورٹ یہی موصول ہوئی ہے کہ وہ بہت ہی خوفناک قسم کے جاسوس ہیں اور تمہارے ملک کے لیے انہوں نے بہت بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیے ہیں، شاید تم اس جہاز کے مسافروں کے بدلے میں ان تیس جاسوسوں کا مطالبہ کر دو گے، کیونکہ صاف ظاہر ہے کہ ہاتھ آئے ہوئے جاسوس بھانسی کی سزا سے تو کم کے حق دار ہیں نہیں، اب تمہارا ملک ان کی دجر سے بولکھلایا ہوا ہے۔“

”جو سکتا ہے، تمہارا اندازہ درست ہو کر کرنل ماتھر نے بڑا سامنا بنایا۔“



”ہو سکتا نہیں، درست بات یہی ہیں: انسپکٹر مجید نے کہا۔  
 ”خیر! میں مانتے لیتا ہوں ایسی بات سچی، لیکن... اب  
 کیا ہو سکتا ہے، اب تو سب کچھ ختم ہو گیا: اس کے  
 بچے ہیں حسرت سچی۔  
 ”تم نے یہ نہیں بتایا، تم کسی سے کس طرح آزاد ہو  
 گئے تھے۔“

”شاید ہی ڈھیلی رہ گئی تھی، دوسرے یہ کہ میں بے ہوش  
 نہیں ہوا تھا، جان بوجھ کر بے ہوش بن گیا تھا، کسی کچھ  
 ڈھیلی بندھی، میں نیچے ہی نیچے ماتحتوں کو حرکت دیتا رہا،  
 یہاں تک کہ کسی اور ڈھیلی ہو گئی اور میرے ماتحت اس میں  
 نکل آئے: اس سے تفصیل بتاؤ۔“

”بہت خوب! گویا تمہارا کوئی اور ساتھی جہاز پر نہیں ہے۔  
 انسپکٹر مجید نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔  
 ”اگر جہاز پر میرا کوئی ساتھی موجود ہوتا تو اس وقت تک  
 وہ حرکت میں نہ آچکا ہوتا۔“

”ہوں! تم ٹھیک کہتے ہو: انہوں نے کہا۔ اس کے ساتھ  
 ہی انہوں نے کرنل ماتھر اور رومیو کی طرف قدم بڑھایا اور تین گن  
 ایک ایک بٹن ان کے دھیر کر دیا۔ وہ تھورا کر گرسے اور  
 بے ہوش ہو گئے۔ اب جہاز کے مسافروں میں زندگی کے آثار

نظر آنے لگے تھے۔ چہروں پر رونق واپس آرہی تھی، کچھ مسافر  
 بے ہوش مسافروں کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے تھے،  
 ایسے میں ایک آواز جہاز کے اندر ابھری۔ پہلے پہل لوگوں نے یہ  
 سمجھا کہ ان کے کان بجے ہیں، لیکن پھر وہ یہ یقین کرنے پر تیار  
 ہو گئے کہ انہوں نے جو کچھ سنا تھا، وہ واقعی اس شخص نے  
 کہا تھا جو مسافروں کے درمیان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ الفاظ ادا کیے  
 اگرچہ کئی سیکنڈ گزر چکے تھے، تاہم ابھی تک ان کے کانوں میں  
 گونج رہے تھے:  
 ”تم مار گئے ہو انسپکٹر مجید!“

یہی کہ تمہارا دماغ خراب ہے، ہم اپنے دشمنوں پر مکمل طور پر قابو پا چکے ہیں۔ جہاز اب دوبارہ ہمارے ملک کے ایر پورٹ پر اترنے کے قریب ہے، پائلٹ اس وقت تک ایر پورٹ کے حکام کو وارنر بس پر ساری صورت حال بتا چکا ہو گا اور حکام نے جہاز کے اترنے کے لیے رن وے صاف کرا دیا ہو گا، جہاز جوئی نیچے اترے گا۔ اسے فوجی جوان گھیرے میں میں گے اور اغوا کرنے والوں کو گرفتار کر لیا جائے گا، پھر ان کا انجام بھی ان تیس جاسوسوں سے مختلف نہیں ہو گا جن کے لیے اس جہاز کو اغوا کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ پھر تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ میں ناکام ہو گیا ہوں، میرے خیال میں تو اتنی شاندار فتح مجھے بہت کم موقعوں پر حاصل ہوئی ہوگی۔ انپیکٹر جیشد کے بغیر کہتے چلے گئے۔

اس کے باوجود میں یہی کہوں گا کہ تم ہار گئے ہو۔ اس نے ہنس کر کہا۔

اس صورت میں میں یہ ضرور جاننا پسند کروں گا کہ تم یہ بات کس طرح کہہ سکتے ہو۔ انپیکٹر جیشد جھلا کر بولے۔ پھر کچھ خیال آنے پر کرنل ماتھر کی طرف مڑے:

کیوں کرنل! کیا یہ شخص تمہارا ساتھی ہے؟

کرنل ماتھر بھی اس شخص کو اس وقت تک آنکھیں پھاڑ پھاڑ دیکھتا رہا تھا۔ انپیکٹر جیشد کے الفاظ سن کر اس نے کھوئے کھوئے

## خوفناک لمحے

خود انپیکٹر جیشد بھی ان الفاظ کو سن کر حیران ہوئے بغیر نہیں رہے تھے۔ محمود، فاروق اور فرزاد کو بھی یوں محسوس ہوا تھا جیسے ان کے کانوں نے دھوکا کھایا ہو، بیگم جیشد کو پہلا خیال یہ گزرا کہ یہ الفاظ کہنے والے کا ضرور دماغ ہل گیا ہے۔ انہوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس شخص کو دیکھا، پہلی نظر اس کے چہرے پر ڈالتے ہی وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔

اس کے ہاتھوں میں کوئی ہتھیار نہیں تھا، اس کے باوجود وہ یوں تنا کھڑا تھا جیسے اس کے پیچھے پوری فوج اٹھ کر اس کے چہرے پر ایک ایسی مسکراہٹ تھی جو صورت نچ پانے والوں کے چہروں پر نظر آسکتی ہے۔ آخر انپیکٹر جیشد نے فکر مند لیٹھے میں کہا:

تم کی کتنا بد بختی ہو دوست، میں کس طرح ہار گیا ہوں؟ تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ اس نے جواب دینے کی بجائے الٹ سوال کیا۔



انداز میں کہا:

”میں انہیں جانتا ہوں، لیکن مجھے یہ بات نہیں معلوم تھی کہ یہ اس جہاز پر سوار ہیں، نہ میں نے ان کے چہرے کو اس وقت تک غور سے دیکھا تھا.... لیکن ان کے اٹھنے پر غور سے دیکھا ہے۔ تو معلوم ہوا، یہ تو میرے ملک کی ایک بہت مشہور ہستی ہیں۔“  
 ”بہت غیب! تو یہ بات ہے، اسے تم لوگوں کے کام کی نگرانی پر لگایا گیا تھا، لیکن خفیہ طور پر، اس کے بارے میں تم لوگوں کو کوئی اطلاع نہیں تھی، اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ مجھے ناکام کس طرح قرار دے رہے ہیں، ویسے کرنل..... ان کا نام کیا ہے؟“

”کرنل میرا نام نہیں بتائے گا، میرا نام میرے منہ سے ہی سنو، مجھے میجر جنرل واٹرمن کہتے ہیں۔“

”ادھو! تم تو شیطان کی طرح مشہور ہو جنرل..... میں نے تمہارا بہت فکر سنا ہے، ہاں تو تم کیا کر رہے تھے، ذرا پھر سے تو کتنا۔ انسپیکٹر جیشد نے کسی قدر حیران ہو کر کہا۔“

”یہی کہ تم ہار گئے ہو، اب یہ جہاز کبھی تمہارے ملک کے ایئر پورٹ پر نہیں اتر سکے گا، تمہارا یہ خواب ادھورا رہ جائے گا۔ یہ دیکھو، میرے پیر کے ساتھ ایک ننھا سا ہم بندھا ہے، پاؤں میری سیٹ کے ساتھ لگا ہوا ہے، بس اس بم کو سیٹ

سے نکلانے کی دیر ہے، پھر یہ جہاز تیر کی طرح نیچے جائے گا اور تمام مسافروں کے ساتھ بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی چور چور کر کے دھک دے گا، ایس سی آخری حربہ تھا، یہی چیز ہے کہ میں اس جہاز پر سوار ہوا تھا، جب کہ میرا خیال تھا کہ اس کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئے گی، کیونکہ مجھے کرنل ماتھر پر پورا پورا بھروسہ تھا اور یہ کامیاب بھی ہو گئے تھے۔ اگر اس جہاز پر تم سوار نہ ہوتے تو اس وقت تک شاید ہم اپنے ملک میں اتار بھی چکے ہوتے اور تم سب قیدی ہوتے، لیکن بُرا ہو اس گھڑی کا جب تم جہاز میں سوار ہوئے، اس پر بھی میں افسوس وقت تک خاموش رہا، میں نے ہر ممکن کوشش کی کہ خود کو سامنے نہ لاؤں۔ لیکن جب کرنل ہر طرح ذیل ہو گیا تو مجبوراً مجھے سامنے آنا پڑا۔ اب اگر تمہارے ہانڈل نے جہاز کو ایئر پورٹ پر اتارنے کی کوشش کی تو میں بھی اپنی سی کر گزروں گا، برج لو انسپیکٹر، فیصلہ تمہارے ہاتھ ہے۔“

یہ کہہ کر میجر جنرل خاموش ہو گیا، جہاز میں موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ ان سب کے چہرے ایک بار بھرست گئے۔ انہوں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اس قدر شاندار کامیابی کے بعد بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ خود انسپیکٹر جیشد بھی سوچ میں ڈوب گئے۔ آخر انہوں نے ٹھکی ٹھکی آواز میں کہا۔

پھر اب تمہارا کیا پروگرام ہے جنرل؟  
 پروگرام اس کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے کہ جہاز کا رخ ایک  
 بار پھر موڑ دیا جائے؟  
 کیا میں پائلٹ روم تک جا سکتا ہوں؟ انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔  
 ہاں! کیوں نہیں، اس وقت تم سب لوگ میرے دم دکرم پر  
 ہو، میری ایک ذرا سی حرکت سب کو موت کے گڑھے میں دھکیل  
 سکتی ہے، تم لوگ مجھے گولیوں کا نشانہ بھی نہیں بنا سکتے، کیونکہ  
 اس صورت میں بھی ہم پھٹ جائے گا۔  
 اچھی بات ہے، میں پائلٹ سے مشورہ کر لوں۔  
 انہوں نے کہا اور ٹائیگر کی لاش کو پھلانگتے ہوئے پائلٹوں  
 کے پاس پہنچ گئے۔  
 صورت حال کیا ہے کیپٹن؟ انہوں نے دبی آواز میں پوچھا،  
 کیونکہ درمیانی دروازہ کھلا تھا۔  
 ہم چند منٹ بعد اپنے ایر پورٹ پر اتار رہے ہیں۔  
 کیا آپ افسران کو ساری بات بتا چکے ہیں؟  
 جی ہاں! انہوں نے جہاز کو آٹا فائنا ٹھیرے میں لینے کے انتظامات  
 کر لیے ہیں۔ اس نے بتایا۔  
 گویا اس وقت تک جہاز اور اس کے مسافروں پر جو کچھ گزرد  
 چکی ہے، اس سے بے شمار لوگ آگاہ ہو چکے ہیں۔

ہاں! بڑے بڑے آفسر اور نظام اس وقت تک ایر پورٹ  
 پر پہنچ چکے ہوں گے۔ اس نے جواب دیا۔  
 لیکن مجھے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہم جہاز کو نہیں  
 اتار سکیں گے۔  
 کیا مطلب؟ کیپٹن کے منہ سے نکلا۔  
 ہماری فتح بھی شکست میں تبدیل ہو گئی ہے۔  
 میں سمجھا نہیں! پائلٹ کے لیے میں حیرت تھی۔  
 انہوں نے مختصر ترین الفاظ میں انہیں نئی صورت حال سمجھائی۔  
 ان کے رنگ یک دم پیلے پڑ گئے۔  
 پھر اب کیا کیا جائے؟ پائلٹ نے مردہ آواز میں کہا۔  
 حکام کو اس صورت حال سے باخبر کر دیں، انہیں چاہیے کہ  
 تمام حفاظتی انتظامات کر لیں۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ جہاز  
 کے پرچے اڑ جائیں اور وہ نیچے بھی نقصان کا سبب بنے، یا  
 کسی دوسرے جہاز پر جا گرے۔ ایر پورٹ کو لوگوں سے خالی کرا  
 دینا چاہیے۔ آپ ان سے مشورہ بھی مانگ سکتے ہیں کہ اب ہم  
 کیا کر سکتے ہیں، کیونکہ دو سو چالیس مسافروں کی زندگیوں کا معاملہ  
 ہے، دوسری طرف قیدی بننا بھی کچھ خوش گواری نہیں ہوگا، ان  
 کے دباؤ میں آ کر اگر ہمارے ملک کو ان کے جاکوسس پھوٹنا  
 پڑے تو یہ بھی ہمارے لیے بہت بڑا بے عزتی کی بات ہو



گی۔ اس کے علاوہ میں ایک سوال پوچھتا ہوں، اگر جہاز کو یک دم نیچے کی طرف غوطہ دیا جائے تو سواروں کا کیا حال ہوگا؟  
 میٹیں سواروں کے نیچے سے نکل جائیں گی، پھر سواریاں میٹوں پر آکر بیٹھیں گی۔

اور یہ عمل بالکل سیدھ میں ہوگا؟ انہوں نے پوچھا۔  
 جی بالکل۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر بالکل اچانک جہاز کو غوطہ دیا جائے تو میجر جنرل واٹر مین کے پاؤں بھی فرش چھوڑ دیں گے؟  
 بالکل چھوڑ دیں گے، لیکن جونہی اس کے پاؤں فرش سے ٹکرائیں گے، ہم بچھٹ جائے گا۔ پانٹ نے کہا۔

”اں! میں سمجھتا ہوں، لیکن میرا پودگرام یہ ہے کہ جونہی اس کے پاؤں فرش چھوڑیں، میں اسے اوپر کا اوپر ہی دبوچ لوں۔ اسی طرح وہ ٹانگ پر بندھا ہوا ہم کسی چیز سے ٹکرائیں گے گا۔ ترتیب تو یہی ہے، لیکن اس میں خطرہ بہت ہے۔“

”خطرہ مول لیے بغیر پیارہ بھی تو نہیں؟ انسپکٹر جمشید بولے۔“

”کم از کم ہمیں حکام بالا سے اجازت لینا ہوگی۔“  
 ”ٹھیک ہے! آپ بات کریں، لیکن بہت ہی دھیمے لہجے میں، انہیں یہ بھی بتا دیں کہ جہاز پر میں بھی موجود ہوں اور یہ ترکیب میری ہی ہے۔“

”بہت بہتر!“

پانٹ نے یہ کہہ کر دائر لیس سیٹ پر جھک گیا اور دھیمے لہجے میں حکام کو ساری صورت حال بتانے لگا۔ آخر اس نے منہ اٹھا کر کہا:  
 ”بچے خوف دہراں پھیل گیا ہے، وہ آپس میں مشورہ کرنے کے بعد ہی جواب دے سکیں گے، ایک منٹ بعد ہم ان کا فیصلہ جان سکیں گے۔“

”ہوں۔ انسپکٹر جمشید بولے اور پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔“



ایئر پورٹ کے دائر لیس روم میں اس وقت شہر کے سبھی بڑے بڑے آفیسر جمع تھے۔ ان کے چہرے خوف سے زرد تھے۔ ہاتھوں پیروں میں لرزش تھی۔ پورا ایر پورٹ فوجیوں کے گھیرے میں تھا، عوام کو دور ہٹا دیا تھا۔ جانے کس طرح کچھ ایسے لوگوں کو بھی خبر مل گئی تھی جن کے عزیز مشق دار اس جہاز میں سوار تھے، شاید ہوائی اڈے کے کسی ملازم نے شہر میں کسی کو فون کر دیا تھا اور اس طرح بہت سے لوگ ہوائی اڈے کی طرف دوڑ پڑے تھے، تاہم انہیں عمارت کے احاطے میں داخل نہیں ہونے دیا گیا، وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے، ابھی انہیں وہ طیارہ دکھائی نہیں دیا تھا جو خوفناک

موت کی پیٹ میں تھا۔

ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ جہاز کو دشمن ملک کی طرف پرواز کرنے کی ہدایت دے دی جائے۔ ایرپورٹ کے انچارج کہہ رہے تھے۔

اس طرح تو ہمیں دشمن ملک کا مطالبہ ماننا پڑے گا اور عالمی سطح پر یہ ہماری بہت بڑی بے عزتی ہوگی۔ ایک آفیسر نے فکر مند ہو کر کہا۔

لیکن ہم ان تیس جاسوسوں کے بدلے میں اپنے دوسو چالیس مسافروں کی جان کیونکر گنوا سکتے ہیں۔ انچارج بولے۔ جہاز پر انسپکٹر جمشید بھی موجود ہیں اور یہ بہت بڑی شہرت کے مالک ہیں، انہوں نے جو تجویز پیش کی ہے وہ آپ سب لوگ پائلٹ کی زبانی سن چکے ہیں، اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ایک اور آفیسر بولے۔

میں ذاتی طور پر انسپکٹر جمشید سے واقف نہیں، خدا جانے وہ کن صلاحیتوں کے مالک ہیں، انہوں نے جو ترکیب پیش کی ہے وہ حد درجے خطرناک ہے، اس میں کامیابی کا امکان صرف پانچ فیصد ہے جب کہ پچانوے فیصد امکان یہ ہے کہ اس طرح ہم پھٹ سکتا ہے۔ انچارج نے کہا۔ پھر فوراً ہی بولا۔

اور اگر خدا نخواستہ جہاز تباہ ہو گیا تو شاید ایک مسافر بھی زندہ نہ بچ سکے، اس صورت میں عوام میں جو ردِ عمل ظاہر ہوگا، اس کا اندازہ آپ لوگ بخوبی لگا سکتے ہیں۔ جب کہ دوسری صورت ممنوعہ ترین ہے، چونکہ ساری ذمے داری میرے سر آئے گی، لہذا میں تو یہی فیصلہ دیتا ہوں کہ جہاز میجر جنرل وائرمین کی مرضی کے مطابق واپس لے جایا جائے۔

لیکن جہاز میں اتنا ایندھن نہیں کہ وہ ان کے ملک تک پہنچ سکے، اس صورت میں بھی تو جہاز کو خطرہ ہے۔ یہ ہم معلوم کر لیتے ہیں۔

میں جہاز کو میجر جنرل وائرمین کی مرضی کے مطابق واپس لے جانے کی ہدایت دیتا ہوں، انسپکٹر جمشید کی ترکیب نافذ عمل ہے، اس میں پچانوے فی صد خطرہ ہے، اس سے بہتر ہم یہی خیال کرتے ہیں کہ مسافر دشمن کی قید میں چلے جائیں۔ ہم ان کا مطالبہ تسلیم کر کے انہیں واپس حاصل کر لیں گے، تاہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ایندھن ختم ہونے کی صورت میں وائرمین کیا کرے گا۔

میں ابھی معلوم کر کے بتاتا ہوں۔ پائلٹ نے کہا اور انسپکٹر جمشید کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا، میں وائرمین سے معلوم کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ پائلٹ روم کے دروازے پر آئے اور پھر بڑے زور سے پتھر گئے۔



کوئی ترکیب لے کر گئے ہیں، لیکن حکام ان کی ترکیب پر عمل کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

اس صورت میں تو ہمیں اور بھی احتیاط کرنی چاہیے، کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے کہ آبا جان کبھی حکام کے سامنے سر نہ اٹھا سکیں، فاروق نے کہا۔

لیکن میں جو کچھ کرنا چاہتی ہوں، اس سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

تو بتاؤ نا تم کیا کرنا چاہتی ہو؟ محمود نے جھٹکا کر کہا۔  
چاقو مجھے دو، میں وقت سے پہلے کچھ نہیں بتا سکتی۔ ہاں!  
یہ ذمے داری لیتی ہوں کہ میری ترکیب اگر ناکام ہو گئی تو بھی کوئی خطرہ مول لینے کی نوبت نہیں آئے گی۔  
یار محمود! جب یہ ذمے داری لیتی ہے تو چاقو دے دو، اس پر چھوڑ دو۔

یعنی یہ ہماری ذات کا مسئلہ نہیں ہے، اس جہاز میں دو سو سے زائد مسافر سوار ہیں، محمود نے منہ بنا کر کہا۔  
ٹھیک ہے نہ تو پھر نہ دو۔

محمود: اگر تم نے چاقو مجھے نہ دیا تو زندگی بھر پچھتاؤ گے۔  
چانک فرزانہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

کیا مطلب! کیا تم مجھے زندگی بھر پچھتا نے پر مجبور کر دو گی؟

## آخری وار

انفیکشن جیشد کے پائلٹ دم میں جانے کے بعد محمود، فاروق اور فرزانہ کی کھسر پھسر شروع ہو گئی۔

حالات خراب ہو چکے ہیں۔ نیچے سے بھی کہا جائے گا کہ میجر جنرل وارٹرین کے کہنے پر عمل کرو۔ فرزانہ نے کہا۔

جیسے ان کی مرضی، ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔ محمود نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

اپنا چاقو مجھے دے دو۔ فرزانہ نے پُر اسرار لہجے میں کہا۔  
کیوں.... کیا ارادہ ہے، کیا وارٹرین پر کیپٹن مارنے کا ارادہ ہے؟ فاروق نے گہرا کر کہا۔

میں اتنی بے وقوف نہیں۔  
پھر بھی بتاؤ تو سہی.... تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتی ہو؟ محمود نے کہا۔

اگر ہم نے اس وقت کچھ نہ کیا تو قیدی بننے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا، میں جانتی ہوں، آبا جان اپنے ذہن میں

”یہ بات نہیں۔ بات وہ ہے جس پر شاید ہم سے کسی نے اب تک غور نہیں کیا؟ فرزانہ نے پر اسرار لہجے میں کہا۔  
”اور وہ کیا بات ہے؟ محمود نے چونک کر کہا۔ فادق بھی اسے گھورنے لگا۔

”یہ لوگ ان مسافروں کو تو اپنے جاسوسوں کے بدلے میں چھوڑ دیں گے۔ یہیں نہیں چھوڑیں گے، کم از کم آبا جان کو نہیں چھوڑیں گے، کیونکہ آبا جان نے ان کے ملک کو بے تحاشہ نقصان پہنچایا ہے۔“

”اوہ! شاید تم ٹھیک کہتی ہو.... لیکن تم یہ بھی تو بتاؤ کہ کرنا کیا چاہتی ہو؟“

”تم یوں نہیں مانو گے، اچھا تو سنو۔“  
چند سیکنڈ تک وہ اس کی بات سنتے رہے، پھر انہوں نے لمبے سانس لیے اور محمود بولا۔

”تو اس کام کے لیے میں کیوں نہ جاؤں؟“  
”میں تم دونوں سے چھوٹی اور پتلی دہلی ہوں، یہ صرف میں ہی کر سکتی ہوں۔“

”خیر! یہ بات ماننا پڑتی ہے کہ ترکیب ہے محفوظ.... یہ کہتے ہوئے اس نے چاقو اڑی میں سے نکال کر خفیہ طور پر اسے دے دیا۔ کرنل ماتھر کے جسم میں سے نکال کر اس نے اسے

دوبارہ اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔

اب تم دونوں مجھے اس طرح اپنی اوٹ میں لے لو کہ میری جزل واطرین کی فطرتوں سے میں مکمل طور پر بیپ جاؤں۔  
”خدا تم پر رحم کرے، مجھے ڈر لگا۔ ہا ہے۔“ بیگم جمشید نے ڈرے ڈرے لہجے میں کہا۔ انہوں نے بھی ان کی باتیں سن لی تھی۔  
”فکر نہ کریں اتنی جان! خدا کو یاد کریں۔“  
”اچھا! ان کے منہ سے نکلا۔“

فرزانہ نے چاقو منہ میں دبایا اور اپنے پردگرم پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو گئی۔



انسپیکٹر جمشید فرزانہ کو غائب پا کر چونکے تھے، تاہم انہوں نے اپنے چہرے سے یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ چونکے ہیں۔ انہوں نے دیکھا، میجر جزل واطرین ابھی تک اسی جگہ تنہا کھڑا تھا، ان پر نظر پڑتے ہی بولا:

”کیا رہا انسپیکٹر.... تمہارے حکام کیا کہتے ہیں؟“  
”وہ ایک سوال کا جواب آپ سے چاہتے ہیں۔ انسپیکٹر جمشید نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔“  
”میں ضرور جواب دوں گا۔“



حکام یہ کہتے ہیں کہ اگر جہاز واپس تھارے ملک کی طرف لے جایا جائے تو کیا راستے میں ہی ایندھن ختم نہیں ہو جائے گا، کیوں نہ ایر پورٹ پر اتر کر ایندھن سے لیا جائے۔  
 "اس جہاز پر چار گھنٹے کے لیے ایندھن موجود تھا، ہم اس وقت تقریباً اڑھائی گھنٹے سفر کر چکے ہیں، گویا ڈیڑھ گھنٹے کے لیے ایندھن باقی ہے، اس عرصے میں ہم یہاں سے اپنے دوست ملک تک تو جا ہی سکتے ہیں، اس ایر پورٹ پر اترنے سے بہتر میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہاں اتر کر ایندھن لے لوں۔  
 اس نے جواب دیا۔

"بہت بہتر! تو پھر میں حکام کو یہ جواب پہنچا دوں۔  
 "ہاں ضرور! اس کے بعد ہم واپس چل پڑیں گے۔ پائلٹ نے شہر کا چکر لگانا شروع کر دیا ہے، شہر کی روشتیاں نظر آ رہی ہیں، گویا ہم ایر پورٹ سے بہت نزدیک ہیں۔  
 "ہاں! ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ انسپکٹر جمیشد بڑے اڑ واپس جانے کے لیے مڑے۔ اس دوران انہوں نے اپنے سامنے ادھر ادھر تک نظر ڈالی تھی، لیکن فرزانہ انہیں کسی بھی دکھائی نہ دی۔ ان کا دل دھڑکنے لگا، وہ دل ہی دل میں دعا مانگنے لگے کہ یا خدا، فرزانہ اپنے ارادے سے باز آجائے، انہیں محمود اور فاروق پر بھی بے تحاشہ غصہ آنے لگا کہ انہوں نے

فرزانہ کو کہیں کھینکے ہی کیوں دیا، بیگم پر غصہ آیا، لیکن وہ کہہ ہی کیا سکتے تھے۔ خاموشی سے واپس مڑے اور پائلٹ رڈم میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے واٹر مین کا جواب پائلٹ کو بتا دیا، پائلٹ نے رابطہ ختم نہیں کیا تھا، چنانچہ فوراً یہ پیغام نیچے بھیج دیا۔ ادھر سے جواب ملا:

"ٹھیک ہے، ہم اس جہاز کو خدا کے حوالے کرتے ہیں اور آپ لوگوں کو واپس جانے کی ہدایت کرتے ہیں، اور اس کے ساتھ ہی ہم دشمن ملک سے رابطہ قائم کر کے اسی وقت سے آپ لوگوں کی رانی کی بات شروع کرتے ہیں۔"  
 "اد کے سر، پائلٹ نے کہا اور انسپکٹر جمیشد کی طرف دیکھا۔  
 "میں یہ فیصلہ واٹر مین کو سنا آؤں، پھر آپ کو جہاز واپس لے جانے کیلئے کہوں گا۔"

• اچھی بات ہے۔

انسپکٹر جمیشد پھر مسافروں کے کمرے میں آئے۔ فرزانہ ابھی تک غائب تھی، یہ دیکھ کر انہیں بہت حیرت ہوئی، وہ انہیں کہیں بھی نظر نہیں آئی۔ آخر انہوں نے واٹر مین سے کہا:  
 "ہم آپ کے احکامات کی تعمیل کرنے پر مجبور ہیں، آپ جس سمت میں چاہیں جہاز کو لے جا سکتے ہیں۔  
 "کیا کرنل مامقور اور رومیو ابھی تک بے ہوش ہیں۔"

”کیا بات ہے مسٹر میجر جنرل : انپکٹر جمشید نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔۔۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ؟“  
”یہ۔۔۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟ دائرہ میں کے منہ سے خوف کے عالم میں نکلا۔“

”کیا کیسے ہو سکتا ہے ، آپ کو کیا ہو گیا ہے ؟“  
”شاید میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں : اس کے منہ سے نکلا۔“

”بات کیا ہے ، کیا میں پائلٹ کو جہاز کا رخ تبدیل کرنے کے لیے نہ کہوں ؟“

میجر جنرل وارٹر می نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی آنکھوں میں بالواسطہ کے اندھیرے پھیل گئے ، اچانک وہ پکرایا اور دھڑام سے میٹوں کے درمیان گرا۔

تمام مسافر یہ دیکھ کر بوکھلا اٹھے کہ اب بم کا دھماکا ہوا اور اب ہوا ، لیکن کوئی دھماکا نہ ہوا ، کوئی بم نہ پھٹا ۔ انپکٹر جمشید تیزی سے وارٹر میں کی طرف بڑھے۔ انہوں نے اسے جھک کر دیکھا ، وہ مکمل طور پر بے ہوش تھا۔ اب انہوں نے اس کی ٹانگوں کی طرف دیکھا اور حیران رہ گئے۔ اس کی کسی ٹانگ پر کوئی بم نہیں تھا۔

اسی وقت انہوں نے فرزند کو میٹوں کے نیچے سے نکلتے دیکھا۔

”ہاں ! درمیان میں ذرا دیر کے لیے ہوش میں آئے تھے : انپکٹر جمشید بولے۔“

”خیر کوئی بات نہیں ! اس صورت حال کے لیے میں تنہا ہی کافی ہوں ، جب انہیں ہوش آئے گا ، اس وقت اور آسانی ہو جائے گی ، ٹھیک ہے ، پائلٹ سے کہو ، جہاز واپس موڑ لے ، اگر جہاز کی گئی تو نتیجے کی ذمہ داری تم لوگوں پر ہو گی ، میں کوئی گڑبڑ محسوس کرتے ہی اپنی ٹانگ سیٹ کے پائے ٹکرا دوں گا۔“

”فکر نہ کرو ، ہمارے ملک نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ تم لوگوں کے جاسوسوں سے اس جہاز کا اور مسافروں کا تبادلہ کر لیا جائے گا ، لہذا ہمیں کوئی چال چلنے کی کیا ضرورت ہے ؟“  
انپکٹر جمشید بولے۔

”ہوں ! اب آئے سیدھے راستے پر۔۔۔۔۔“

انپکٹر جمشید ابھی پائلٹ روم میں جاتے کے لیے مڑے نہیں تھے کہ انہوں نے وارٹر میں کے چہرے پر شدید حیرت کے تاثرات دیکھے۔ انہوں نے محسوس کیا ، وارٹر میں اپنی زندگی میں کبھی اتنا حیران نہ ہوا ہو گا ، جتنا اس لمحے پھر وہ بوکھلا نیچے جھکا اور انہیں یوں لگا جیسے اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے ہوں۔  
اب انہوں نے اس کے منہ پر ہوائیاں اڑتے صاف دیکھیں۔



ساتھ ہی اس کی شوخ آواز ابھری :

" ہم اب میرے ہاتھ میں ہے آبا جان ! اور آج میں نے بھی جیب کتروں والا ہاتھ دکھایا ہے ، آپ جانتے ہی ہیں ، محمود کا چاقو پلیٹ بھی تیز ہے ، بس میں نے اس کا چاقو یا اور سیٹوں کے نیچے رینگ گئی ۔ نیچے ہی نیچے میں وارٹرین صاحب تک پہنچ گئی اور پھر اس ڈوری پر بلیڈ چلا دیا جس کے ذریعے ہم ٹانگ سے بندھا تھا ، ڈوری کھینچتے ہی میں نے ہم ہاتھ میں یا اور واپس کھسک گئی ، یہی وہ لمحہ تھا جب وارٹرین پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹا ۔

" فرزانہ ! تم تے کمال کر دیا ۔ تم نے وہ کام کیا ہے جو کوئی دوسرا سوچ بھی نہ سکا ....

" بہادر .... وہ ماما : کئی مسافر چلا اٹھے ۔

آن کی آن میں جہاز کی فضا بدل گئی ۔ سرت کی بجلی چمک اٹھی ۔ انیکٹر جشید پائلٹ روم کی طرف دوڑے ، کچھ مسافر وارٹرین پر ٹوٹ پڑے اور لاقول اور سکول سے اس کا بھرکس نکال کر دکھ دیا ، پھر اسے بازو ہٹنے لگے ۔ پائلٹوں کو نئی صورت حال کا پتا چلا تو ان کے چہروں پر بھی رونق دوڑ گئی ۔ یہ پیغام فوراً نیچے دیا گیا ، نیچے بھی خوشی کی لہر نے پورے ایر پورٹ کو اپنی پلیٹ میں لے لیا اور پائلٹ

جہاز کو نیچے اتارنے کی تیاری کرنے لگا ۔

" اور آبا جان ! اب وہ نوٹ بک رہ جاتی ہے :  
 " ہاں بھئی ، ذرا اسے بھی نکالو ، دیکھیں تو سہی ، کیپٹن سوتان ہمارے ملک سے کیا چیز لے جا رہا تھا ، وہ بولے :  
 " آبا جان ! وہ چیز لے جا رہا تھا ، فاروق نے مسکرا کر کہا اور وہ ہنس پڑے ، لفظ وہ چیز نے انہیں بہت دیر تک پریشان کیا تھا ۔

انیکٹر جشید نے نوٹ بک کے اوراق اٹھتے شروع کیے ۔  
 پھر ان کے منہ سے نکلا :

”بھئی کسی جگہ کو تو تنقید سے محروم کر دیا کرو۔“ محمود نے جھٹکا کر دان پر ہاتھ مارا۔

”کیسے محروم کر دوں، جگہ بُرا مان جائیں گے؟“ فاروق بولا۔  
”لو! اب جگہ بھی برا ماننے لگے۔“

”بُرا ماننے کا کیا حال ہے، کوئی بھی چیز بُرا مان سکتی ہے، ہم اس کا ہاتھ تو نہیں روک سکتے۔“  
”ہو گئی اوٹ پٹانگ باتیں شروع۔“

”اب جہاز میں کرنے کے لیے اور وہ ہی کیا گیا ہے، بیچاے کرنل ماتھر صاحب بے ہوش پڑے ہیں، دوسرے بے ہوشی میں ان کا پورا پورا ساتھ دے رہا ہے، ایم بی جان اور ٹائیگر ویسے ہی اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ نوٹ بک پر ہم قبضہ کر چکے ہیں اور آخری آفت بھی بے چاری صدمے سے بے ہوش ہو چکی ہے۔“ فاروق کت چلا گیا۔

”آخری آفت! کیا مطلب؟ وہ چونکے۔

”میرا مطلب ہے میجر جنرل واٹر مین.... وہ اس جہاز کے لیے آخری آفت ہی تو ثابت ہو گئے تھے۔“

”واقعی بڑی زوردار آفت ثابت ہوئے تھے، خدا کا شکر ہے کہ ان سے بھی نجات ملی.... اگر فرزانہ کو یہ حرکت نہ سوجھتی تو اس وقت ایک بار پھر ہم اپنے ملک سے دور

## عجیب نوٹ بک

”سبھی یہ نوٹ بک بھی عجیب نوٹ بک ہے۔“ آخر انہوں نے سر اوپر اٹھایا۔

”جی! کیا مطلب؟ یہ کس لحاظ سے عجیب ہے؟“ فاروق چونکا۔  
”اس پر ایک خیر کی زبان میں کچھ تحریر ہے، میں اس کا ایک لفظ بھی سنیں پڑھ سکا۔“ انہوں نے جواب دیا۔

”تب پھر یہ نوٹ بک تو ایک معہ بن گئی۔“  
”خیر! اس معے کو نیچے پل کر مل کر لیا گئے۔“ محمود نے کہا۔  
”نیچے تو عالم ہی کچھ اور ہو گا، وہ جانے کون کون لوگ آئے ہوئے ہوں گے۔“

”چلو تو کیا ہوا، تصویریں ہی اتریں گی۔“  
”خدا کی پناہ! کتنے ہولناک لمحے تھے، جو ہم نے گزارے۔“ بیگم جمشید نے لمبا سانس کھینچا۔

”لیکن امی جان! نجات ہم نے کہاں گزارے، لمحات تو ہمیں گزار رہے تھے۔“ فاروق نے مسی صورت بنا کر کہا اور وہ مسکراتے گئے۔



دشمن کے ملک کی طرف جا رہے ہوتے اور ہمارے ملک والے ہماری کچھ بھی مدد نہ کر سکتے، پھر ہم ان کے قیدی ہوتے، ظاہر ہے، آج کل قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا جاتا، یہ تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے، جنہوں نے قیدیوں سے مثالی سلوک کیا، جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے یہ تو خوب خوب ستاتے ہیں۔ ایذا دیتے ہیں، ملک کے راز معلوم کرتے ہیں۔ بیگم جمشید یہ کہتے وقت کیپا اٹھیں۔

”میں کبھی یہ گوشش نہ کرتی، اگر مجھے یہ خیال نہ آتا کہ دشمن ملک والے چاہے جہاز کے تمام مسافروں کو رہا کر دیں، لیکن اگر وہ نہیں کریں گے تو آتا جان کو، یہ خیال لڑا دینے والا تھا، بس اس خیال کے اتنے ہی میں نے دل میں ٹھان لی کہ کچھ نہ کچھ ضرور کو گزروں گی اور پھر یہ ترکیب میرے ذہن میں آ گئی۔“

”مان گئے عجبی، کوئی جیب کترا بھی اتنی صفائی نہیں دکھا سکتا تھا، یوں کہہ لو کہ تم نے اچھے اچھے جیب کتروں کی ناکیں کاٹ ڈالی، جب شر کے جیب کترے ہمارے اس کارنامے کو پڑھیں گے تو شاید شاگردی اختیار کرنے کی سوچیں۔“ فاروق نے بشریہ انداز میں کہا۔

”لیکن میں سب سے پہلے تمہیں اپنا شاگرد بناؤں گی اور پھر جب تمہیں اس کام میں ماہر بنا دوں گی تو پھر سب سے

پہلے جو کام تم سے کرنے کے لیے کموں کی، جانتے ہو، وہ کیا ہو گا؟“ فرزانہ نے جھٹلا کر کہا۔

”کیا ہو گا؟“ فاروق نے تڑ سے پوچھا۔

”میں کموں کی، اب ذرا اپنی مہارت سے کام لے کر اپنی زبان کاٹ کر دکھاؤ۔“

فرزانہ کا جملہ سنتے ہی محمود نے ایک قہقہہ لگایا۔ انسپکٹر جمشید اور بیگم جمشید بھی ہنس پڑے۔

”یار فاروق! آج تو فرزانہ تمہیں بہت بری ٹھکری۔“ محمود بولا۔ ”مجھے ہی کیا، یہ تو تمہیں بھی ٹھکر گئی ہے، اصل کارنامہ تو آخر اس نے انجام دیا ہے نا۔۔۔۔۔ تم بھی تو منہ ہی دیکھتے رہ گئے۔“ فاروق نے جواب دیا۔

”ان حالات میں منہ دیکھتے رہ جانا بھی کسی کارنامے سے کم نہیں تھا۔“ محمود نے کہا۔

”لو! اب منہ دیکھ کر بھی کارنامے انجام دیے جانے لگے۔“

”لو! سچی۔۔۔۔۔ اب ہم ایئر پورٹ کے اوپر چکر لگا رہے ہیں، نیچے ہزاروں لوگ موجود ہیں، وہ ہاتھ ہلا ہلا کر ہمارا استقبال کر رہے ہیں۔ ان لوگوں میں شاید جہاز کے مسافروں کے رشتے دار بھی موجود ہیں۔“ انسپکٹر جمشید نے انہیں بتایا۔

”لیکن آتا جان! اب سلسلے آخر لیتے جانے کا کیا ہو گا؟“

اس کے بعد انہیں نیچے اترنے کی اجازت دی گئی۔ پھر مسافر  
کی طرف بڑھنے والا، ہجوم کسی کے روکے نہ رک سکا۔ لوگ جگمگ  
کو پھلانگ گئے اور اپنے رشتے داروں سے خوب گلے ملے، کیونکہ  
ہو، سب لوگ موت کے منہ سے واپس آئے تھے۔

ان کی طرف بڑھنے والوں میں خان رحمان، پروفیسر داؤد،  
کے بیوی بچے، آئی جی صاحب، ڈی آئی جی صاحب اور  
تھے۔ انہوں نے ان سب سے گرم جوشی سے مصافحے کیے  
پھر کاروں میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔ ایسے میں انسپکٹر جیشد  
وہ نوٹ بک نکال کر پروفیسر کو دی اور ڈرائیونگ سیٹ خود سنبھال  
”راستے میں ہی ذرا اسے دیکھ لیں۔“

پروفیسر داؤد اس کے مطالعے میں گم ہو گئے، شاید وہ یہ نہ  
سمجھتے تھے، کیونکہ ایک بار اس پر نظریں جا کر انہوں نے اس  
بٹائیل، جب تمام ورق الٹ چکے۔ آخر انہوں نے سر اوپر اٹھایا  
حیرت زدہ لہجے میں بولے:

”اف میرے خدا! یہ تو دنیا کے سب سے بڑے ملک  
سب سے بڑے سائنس دان کی نوٹ بک ہے، اس نوٹ بک  
میں نہایت اہم فارمولے درج ہیں، جن سے ایسی چیزیں  
کی جاسکتی ہے جو آج کی دنیا کے دہم دگمان میں بھی  
آسکتیں۔“

ہونا کیا ہے، آئندہ پروانہ سے چلے جائیں گے۔ انہوں  
نے کہا۔

”اور.... اور.... اور.... اور.... اور سے آگے فاریق کچھ بھی نہ  
کہہ سکا۔

”یہ اور سے آگے تمہاری گاڑی کیوں ہلک گئی؟“ محمود بولا۔  
”اور اگر اس جہاز پر بھی کوئی چکر.... فاریق نے کنا چاہا،  
مگر فرزانہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

”بس آگے ایک لفظ نہ کنا، خدا کے لیے ہمیں افریقہ  
جا لینے دو۔“

”اچھا! تو پھر میں یہ کہہ دیتا ہوں، اگر افریقہ سے واپسی پر  
پھر کوئی چکر....“

اس بار اس کے منہ پر محمود نے ہاتھ رکھ دیا تھا، انسپکٹر  
جیشد اور بیگم جیشد ہنس پڑے.... اسی وقت جہاز دن و سہ پہر  
دوڑنے لگا۔ ایئر پورٹ کی روشنیوں سے وہاں دن کا سماں تھا۔  
لوگ آنکھیں میچاڑ چھا کر اس جہاز کو دیکھ رہے تھے.... اور  
پھر جوشی جہاز رکا، ملاری کے جوانوں نے اسے گھیرے میں لے  
لیا۔ فوراً ہی میجر جنرل وارڈمین، کرنل ماتھر اور ریڈیو کو گرفتار کر  
لیا گیا، لاشوں کو قبضے میں لے لیا گیا، کیمروں کی فلیش لائٹوں نے  
ان کی آنکھیں چکا چوند کر دیں۔



” لیکن سوال یہ ہے کہ یہ نوٹ بک ہمارے ملک میں کسی طرح آگئی :-

” جہاں تک میرا خیال ہے، اسے اس سائنس دان کے پاس سے کسی نے اڑا لیا ہوگا، اور ہمارے ملک کے راستے اپنے ملک جانا چاہتا ہوگا کہ اس سے کیپٹن سوتان نے اڑا لیا، کیپٹن سوتان کی تاک میں کرنل ماتھر تھا، اس نے اپنے آدمیوں کے ذریعے یہ معلوم کر لیا کہ کیپٹن سوتان نوٹ بک چرا چکا ہے، چنانچہ وہ اس کی تاک میں رہنے لگا اور جونہی اس نے جہاز کے ذریعے سفر کا پروگرام بنایا، اس نے بھی اسی جہاز کو اغوا کرنے کا پروگرام بنالیا۔ بس یہ تھی کل کہانی۔

” جیسی واہ بیٹھے بھٹائے آنی قیمتی چیز مل گئی :- محمود نے خوش ہو کر کہا۔

” بیٹھے بھٹائے کہاں، اڑتے اڑتے .... خارق بولی پڑا۔

اور وہ سب .... ہنس پڑے۔ کاریں چکنی سڑک پر رواں دواں تھیں، ایئر پورٹ کی روشنیاں نظروں سے اوجھل ہو چکی تھیں۔